Rged No L 1981

FORTNIGHTLY

Phone 22948

TAMEER-E-HAYAT

Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

منثورات

از مولانا [illegible] ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جانداز مضامین کا انتخاب کیا ہے [illegible] اور علم کی [illegible] کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا سامان [illegible] کرسکتے ہیں اسلام [illegible] کے ذہن میں معاون ثابت ہوسکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مسند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں، ظرافت کے ساتھ فرید و دلنشین نظم و نثر کی بھی مثال ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔ قیمت ۳ر

جزیرۃ العرب

از مولانا محمد رابع ندوی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء

یہ جغرافیہ کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اسمیں سیرت و تاریخ و ادب عربی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اسکی وجہ سے کسی جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیساتھ اسکی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم و جدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جگہ جگہ وضاحتی نقشے بھی دیئے گئے ہیں، اسکا تذکرہ عالم عربی کے اخبارات نے اچھے انداز میں کیا ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے، اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب۔ قیمت ۵ روپیہ

الأدب العربی

بین عرض و نقد

از مولانا محمد رابع ندوی۔ ادیب اول (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

عربی ادب کی تاریخ اور تنقید کے موضوع پر ہندوستان میں یہ سب سے پہلی کوشش ہے جو الادب العربی بین عرض و نقد کے نام سے عربی زبان میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پیش کی ہے۔
اس کتاب میں عربی ادب کی تاریخ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور یہ تین بڑے حصوں پر مشتمل ہے۔
ادب کی حقیقت ۞ تنقید و تجزیہ ۞ ادبی نمونے
مولانا ابوالحسن علی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ خوبصورت عربی ٹائپ پر یہ کتاب چھپ کر آگئی ہے
(قیمت صرف چار روپے)

معلم الانشاء

از مولانا عبدالماجد صاحب ندوی و مولانا محمد رابع صاحب ندوی

انشاء تمام زندہ زبانوں کا اہم مضمون ہے، موجودہ جمہوری دور اور صنعتی و تمدنی زندگی نے بھی اسکی اہمیت کو روز روشن کر دیا ہے۔ دعوت و تبلیغ کے تقاضوں، ملکوں اور قوموں کے ارتباط و تعلق نے اسکو صرف اجتماعی و ادبی لحاظ سے نہیں دینی اہمیت بھی بخش دی ہے۔ چنانچہ دارالعلوم ندوۃ العلماء نے وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ان کے لئے ایک سلسلے کی ترتیب دی ہے جو عربی مدارس کے اساتذہ کی پوری رہنمائی کرسکے اور عربی مدارس میں تعلیم و انشاء کا نصاب بن سکے۔
کاغذ کتابت و طباعت معیاری۔ حصہ اول (مولانا عبدالماجد ندوی) قیمت ۱/۷۵
حصہ دوم (" ") " ۲/۶۲
حصہ سوم (مولانا محمد رابع ندوی) " ۲/۵۰

مسئلہ ختم نبوت ۔ علم و عقل کی روشنی میں

تالیف: مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء

اس کتاب میں مسئلہ ختم نبوت کو ٹھوس علمی و تحقیقی انداز میں ثابت کیا گیا اور عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت اور ضرورت کو خالص علمی و عقلی دلائل سے واضح کیا گیا ہے، ہر صاحب عقل سلیم اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ختم نبوت کا قائل ہوجائیگا، قادیانیت کے طلسم میں گرفتار اور عقیدۂ ختم نبوت میں شک و شبہ کرنیوالے افراد کے حق میں یہ فاضلانہ تصنیف روشنی کا ایک عظیم مینار ہے! قیمت:- ۲ روپے ۲۵ نئے پیسے

ملنے کا پتہ

مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at Nadwa Press Lucknow

شعبۂ تعمیر و ترقی
دارالعلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیر حیات

۲۳ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء

ایڈیٹر سید محمد الحسنی

معاون سعید الاعظمی ندوی

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ قیمت فی پرچہ ۲۵ پیسے

مرگِ غیرت تری دُھائی ہے!

نئے خالق، نئے نبی، نیا کلمہ

"اس زمانہ کے نبی نے دنیا سے رحلت فرمائی، جمال عبدالناصر کا سال کے اسی دن انتقال ہوا جس میں اللہ نے اپنے نبی محمد بن عبداللہ پر معراج کی تجلّی ظاہر کی اور ان کو اپنے پاس سدرۃ المنتہیٰ تک دلجوئی اور پاس خاطر کے لئے بلایا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح اللہ نے اپنے حبیب جمال کے لئے کیا، آپؐ کا سفر بھی ٹھیک اسی طرح ہوا تھا جس طرح جمال کا ہوا نہیں، جمال عبدالناصر کا انتقال نہیں ہوا بلکہ وہ آسمانی سفر پر اس طرح روانہ ہوئے جس طرح انبیاء اور قدوسیوں کا سفر ہوتا ہے۔"

الجمہوریہ ۳ر اکتوبر ۱۹۷۰ء

"اے جمال عبدالناصر، اے وطنیت کے نبی، حریت کے رسول، شبِ معراج میں آپ کا نام اور آپ کا جسم آسمان پر پہونچا، قدوسیوں اور ابرار سے آپ کی ملاقات ہوئی، آپ اس قافلہ میں شامل ہو گئے جو اس زمین میں اور آسمان میں زندگی کا موجد ہے۔"

(الجمہوریہ کے اداریہ سے (۲۹ر ستمبر ۱۹۷۰ء)

"اے وہ جس سے بڑھ کر معزز و محترم دنیا نے کبھی نہیں دیکھا، حوادث کے سامنے ثابت قدم رہنے والا اور جس وقت چاہے جہاں چاہے اور جس طرح چاہے ان میں تصرف کرنے والا۔"

(ایضاً)

"اگر آنسو سمندر بن جائیں اور دریا روشنائی بن جائیں تب بھی ان کی تعزیت نہیں ہو سکتی اسلئے کہ ایسے لوگ الفاظ و کلمات سے بالاتر ہیں، بلکہ وہ خود الفاظ و کلمات ہیں۔"

الجمہوریہ (ادارتی نوٹ) ۵ر اکتوبر ۱۹۷۰ء

نیا کلمہ:۔ لا الٰہ الا اللہ ناصر حبیب اللہ (الجمہوریہ)

ہمارے آباؤ اجداد آپ کے نغمے گاتے رہے، آپ ان کے لئے ایک حسین کہانی یا خواب تھے۔ چار ہزار برس سے وہ اس امید میں جی رہے تھے کہ آپ ظاہر ہوں آخر کار بیسویں صدی کے نصف آخر میں اہل مصر کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔

الجمہوریہ یکم اکتوبر ۱۹۷۰ء (ہفتہ وار ایڈیشن)

اسی الجمہوریہ کی اطلاع ہے کہ ناصر کے پانچ بُت صرف ایک ضلع القلیوبیہ میں نصب کئے جا رہے ہیں۔ الجمہوریہ ۵ر اکتوبر ۱۹۷۰ء ص ۵ کالم ۷) خیال رہے کہ یہ کسی البعث، تعمیر حیات یا ندائے ملّت کی اطلاع نہیں عرب جمہوریہ کے اس سرکاری اخبار کا بیان ہے جس کو خود ناصر نے جاری کیا تھا، ہندوستان میں بعض خوش فہم ایسے بھی بستے ہیں جنھیں شاید اب بھی یقین نہ آئے۔ ان کے لئے یہ عرض ہے کہ مصری سفارتخانہ زیادہ دور نہیں۔ یہ اخبار ان کو کم از کم وہاں ضرور مل جائے گا۔

۲۲ر شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۵ر اکتوبر ۱۹۷۰ء

پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ

شعبہ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۲ شمارہ ۲۴

چندہ
سالانہ ۸ روپے
ششماہی ۴ "
فی کاپی ۳۵ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمال عبدالناصر

شخصیت اور کردار کے آئینہ میں

(۲)

محمد الحسنی

ان کی پہلی اور سب سے بڑی پہچان، فرعونیت ہے جس کے اوپر انھوں نے مذہب نوازی کا ایک خوشنما پردہ ڈال لیا ہے لیکن ان کی بدقسمتی سے یہ پردہ اتنا داغ داغ اور تار تار ہے کہ وہ ان کی اصل شخصیت کو چھپانے سے قاصر ہے، یہ قول و عمل کا وہ کھلا ہوا اور مضحکہ خیز تضاد ہے جس نے ان کے جرم کو ہلکا کرنے کے بجائے اور سنگین بنا دیا ہے۔

ان کی اس دین نوازی یا دین فروشی کی حقیقت صرف اتنی ہے جو قرآن مجید کے بلیغ و معجزانہ الفاظ میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

اذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا و اذا خلوا الی شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزءون

جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں جب اپنے شیطانوں کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں دراصل ان لوگوں کیساتھ مذاق کر رہے تھے۔

جس طرح ان کی پراسرار شخصیت کی تہ تک پہونچنے کے لئے "انا ربکم الاعلیٰ" کی شاہ کلید درکار تھی اسی طرح شخصیت کے اس حجاب کے لئے بھی ایک کلید کی ضرورت ہے اور وہ یہی آیت قرآنی ہے! اس کلید کو لگاتے ہی "شمالی افریقیا فی الماضی والحاضر والمستقبل" اور "ترکیا والسیاسۃ العربیہ" کے مقدمہ کا معمہ اور فلسفۃ الثورۃ اور "المیثاق الوطنی" کی اکا دکا "دینی عبارتوں کا راز یمن کے علماء و مشائخ میں بعض خاص واعظانہ اور ناصحانہ تقریروں اور "حقیقۃ الشیوعیہ" کے بعض فقروں کا مطلب خود بخود حل ہو جاتا ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے حقیقت میں شمالی افریقیا فی الماضی والمستقبل" کا وہی ایک اقتباس کافی ہے۔ جس میں انھوں نے اپنی اسلام پسندی کا سب سے زیادہ مظاہرہ کیا ہے اور جس میں ان کے قول و عمل کا تضاد بھی سب سے زیادہ کھل کر ظاہر ہوا ہے۔

یہ ایک طویل اقتباس ہے جس میں انھوں نے قرون اولیٰ میں اسلام کے قافلہ کی ترقی و پیشقدمی کی تفصیل درج کی ہے اس کے بعد اخوت اسلامی اور مسلمانوں سے تعاون کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "جو لوگ چاہیں اور جو نہ چاہیں انھیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ مسلمان تمام عالم میں بھائی بھائی ہیں اور بھائیوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ سختی اور مصیبت میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔

ہمارا دین پوری انسانیت کا دین ہے اس میں نہ قومی عصبیت ہے نہ جغرافیائی اور ہماری سرزمین نبوتوں کی سرزمین ہے اس لئے یہ ناممکن ہے کہ اس سے شر کی دعوت کا فروغ ہو، ہم عرب ہم مسلمان اور ہم مشرق کے رہنے والے صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہم ایک ایسا مجموعہ ہوں کہ جو حق اور خیر و سلامتی کا داعی اور ظلم و جارحیت کے سامنے سینہ سپر ہو، ہمارا دین اور ہمارا عقلی اور اخلاقی ورثہ آرزوؤں، غیرت نفس اور تمام بلند انسانی قدروں پر ہمیں اس بات کی دعوت دیتا ہے۔

دوسری دنیا میں رہنے والوں کو ان حقائق کا ادراک کرنا چاہیئے۔ ورنہ جس روز انھیں تباہ کن طوفانی لہر ملیا میٹ کرے گی وہ افسوس کے ساتھ کہیں گے کاش ہم مسلمانوں کو اپنا مددگار بنا لیتے۔[1]

اگر کسی بات کے ثبوت کے لئے محض زبانی اظہار کافی ہے عمل کی تصدیق یا تردید کی ضرورت نہیں اور اگر تقریر کے آخر میں کبھی کبھی وفقکم اللہ (اللہ آپ کو توفیق دے) یا تقریر کے درمیان بعض اوقات (بالالتزام نہیں) باذن اللہ اور بمشیۃ اللہ (خدا کے حکم اور خدا کی مشیت کہہ دینے سے سارے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو ہمارا کچھ کہنا یقیناً بیجا ہے۔ لیکن اگر ایسی بات نہیں ہے تو پھر ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ دوسروں کو مسلمانوں کی دوستی اور تعاون پر آمادہ کرنے والوں نے خود اس سلسلہ میں کیا کردار ادا کیا ہے۔

قول و عمل کا تضاد! عجب بات ہے کہ جس بات پر اس مقدمہ میں انھوں نے سب سے زیادہ زور دیا ہے، وہی ان کا سب سے کمزور پہلو بلکہ سب سے زیادہ تاریک پہلو ہے اس لئے کہ یہی ایک چیز ایسی ہے کہ جس کی پرچھائیں بھی ان لوگوں کو گوارا نہیں لیکن واذا لقوا الذین امنوا قالوا آمنا کے مطابق یا زیادہ واضح الفاظ میں اس مجبوری سے کہ افریقہ میں وہ جہاں بہت سے نو آزاد مسلم ممالک ہیں اور اپنی

---

[1] مقدمہ جمال عبدالناصر کتاب شمالی افریقیا۔ سلسلہ اختر مالک

منتق قومیتیں رکھتے ہیں) فرعونیت کا نعرہ لگا تا یا عرب قومیت کا پرچم بلند کرتا نہ صرف غیر مفید بلکہ مضر ہوگا انھوں نے ایک طرف اسلام کے نام اور خدا کے نام سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ دوسری طرف وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَکُمْ پر عمل کرتے ہوئے انھوں نے افریقہ میں خاص طور پر اور دنیا میں عام طور پر چن چن کر ایسے لوگوں سے دوستی کی جو مسلم آزار اور مسلم کش اور یہود نواز تھے۔ انھوں نے ترکی سے اس بہانہ دشمنی روا رکھی کہ وہ اسرائیل نواز ہے اور صدیوں اس کے ملک پر غاصبانہ حکومت کر چکا ہے لیکن نکروما گھانا کا معزول بادشاہ) اور ہیل سلاسی (شاہ حبشہ) سے انھوں نے ان کی یہود نوازی اور مسلم کشی کے باوجود ہمیشہ گہرے دوستانہ تعلقات رکھے جو کسی دو ملک میں ممکن ہیں۔

انھوں نے قبرص کے بے گناہ اور نہتے ترک مسلمانوں کے مقابلے میں رباوجود اس کے کہ ساری دنیا پر ان کی مظلومیت آشکارا ہو چکی تھی۔ اور غیر ملکی ایجنسیاں بھی ان کے حق کا اعتراف کر رہی تھیں) نہ صرف یونانیوں کی حمایت کی بلکہ اس مسلم اقلیت کو وجو موت و زلیت کی کشمکش میں مبتلا تھی اور جس کو صدر ناصر کے خاص دوست مکاریوس کے حکم سے ان کے محلوں میں گھیر گھیر کر مارا جارہا تھا، کچلنے کے لئے اسلحہ بھی بھیجے، اور ان کے اخبارات ترک مسلمانوں کے "فرار" کی خبریں چھ چھ کالم کی جلی سرخیوں کے ساتھ فخریہ شائع کرتے رہے۔

انھوں نے صومالیہ کی مسلم حکومت کے بجائے ہمیشہ حبشہ کی حمایت کی جہاں مسلمانوں پر لرزہ خیز مظالم کئے جاتے ہیں کہ ان کی نظیر کم ملکوں میں ملے گی نائیجیریا کے مسلم سربراہوں احمد بیلو سے ان کو کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن لومبا اور نکروما سے ان کے گہرے دوستانہ تعلقات تھے چنانچہ لومبا کی موت پر پورا مصری پریس ماتم میں ڈوب گیا اور احمد بیلو کی شہادت کی خبر ٹھیک سے شائع نہیں کی گئی۔

یہ قول و عمل کھلے ہوئے تضاد کا ایک شاہکار تھا۔ اب اس کے بعد قول اور قول کے تضاد کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا۔ (اور جب ملتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے) کی کلید ہے کہ ہم جب تک آگے بڑھتے رہیں گے ان کی اسلام نوازی اور دین داری کا پردہ خود بخود چاک ہوتا جائے گا۔

"حقیقۃ الشیوعیۃ" میں جمال عبدالناصر نے دینی بنیاد پر اشتراکیت کی مخالفت کرتے ہوئے صاف صاف لکھا ہے کہ۔

ان الشیوعیۃ دین ولنا دین ولنا دین لکین ودیننا من اجل الشیوعیۃ[1]

(کمیونزم ایک دین ہے اور ہمارا بھی ایک دین ہے۔)

---

[1] دیکھئے الاہرام مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۶۴ء

(اور ہم اپنا دین کمیونزم کی خاطر نہیں چھوڑ سکتے)

لیکن جب وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ کا وقت آیا یعنی جب مسٹر کرنجیا ایڈیٹر "بلٹز" بمبئی نے ان سے اس شبہ کا اظہار کیا کہ کمیونزم کی مخالفت دینی بنیادوں پر کی جارہی ہے تو انھوں نے کہا کہ۔

"کمیونزم کے متعلق ہو سکتا ہے کوئی اس طرح سوچتا ہو لیکن یہ نقطہ نظر ہرگز نہیں ہے۔ میں کمیونزم کو خالص سیاسی اور استعماری نقطہ نظر سے دیکھتا ہوں اور میری مخالفت کی واحد بنیاد صرف یہی ہے۔"[2]

جب وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا وقت آیا[3] اور اس وقت ان کو یمن کے علما و مشائخ اور قبائلی سرداروں کی میں تقریر کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انھوں نے برملا یہ اعلان کیا کہ ۲۳ جولائی کے انقلاب کی اساس اسلام پر ہے انھوں نے اسلامی تاریخ اور اسلامی دعوت کی طاقت پر تقریر کی اور "الاہرام" کے بیان کے ... مطابق یہ کہا۔

تحدث الرئیس عن شعارات الاسلام وقال: ان ھذہ الشعارات کانت اساس ثورۃ ۲۳ یولیو ۱۹۵۲ء[4]

رئیس نے اسلام کے اصولوں پر تقریر کی اور کہا کہ یہ اصول ۲۳ جولائی ۱۹۵۲ء کے انقلاب مصر کے اساس ہیں۔

آگے اسی اخبار کا بیان ہے۔

الرئیس یکشف اماہ رجال الدین محاولات الانجلیز لتقسیم العالم الاسلامی ولیقول انھم یرھبون الاسلام کقوۃ موحدۃ[5]

(رئیس نے علماء دین کے سامنے عالم اسلام کو تقسیم کرنے کی برطانوی سازش کو بے نقاب کیا اور کہا کہ یہ لوگ اسلام کی متحدہ قوت سے خائف ہیں۔

اور جب وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ کا موقع آیا تو ان کے ان اعلانات کی اصل حقیقت کھل کر سامنے آگئی مسٹر کرنجیا سے ایک انٹرویو میں انھوں نے صاف صاف اعلان کیا کہ۔

ان قیام الدولۃ علی اساس من الاسلام مخالف للتاریخ[6]

---

[1] حقیقۃ الشیوعیۃ۔

[2] خطبات جمال عبدالناصر انگریزی شائع کردہ وزارت الاطلاعات قاہرہ [3] اس جلسہ میں یمن کے علماء دین اور ۲۰۰ قبائلی سردار شریک تھے (الاہرام مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۶۴ء)

[4] الاہرام مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۶۴ء صفحہ

[5] الاہرام مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۶۴ء صفحہ

[6] النجم العربی فصل "العروبۃ اولاً" از کرنجیا (عربی ایڈیشن) اور مجموعہ خطبات جمال عبدالناصر (انگریزی) شائع کردہ وزارت اطلاعات قاہرہ۔

(اسلام کی اساس پر حکومت کا قیام، تاریخ کے خلاف ہے۔)

اسلام کا نام لینے پر معذرت کرتے ہوئے مسٹر کرنجیا سے کہا کہ

اننی لم اذکر الاسلام فی خطبی الامرۃ واحدۃ

(میں نے تو اسلام کا اپنی تقریروں میں صرف ایک بار ذکر کیا ہے)[1]

"ترکیا والسیاسۃ العربیۃ" کا مقدمہ لکھنے کا وقت آیا تو انھوں نے ترکوں کی تعریف کی اور یہ لکھا کہ

ہمارا ماضی اور ترکی کا ماضی تاریخ عرب و اسلام کی ایک ہی کتاب کی دو فصلیں ہیں جب ترک سپاہیوں کے قدم یورپ کی سرزمین پر پہونچے اور فلسطین کی سلطنت کے کھنڈرات پر عثمانی سلطنت قائم کرنے کا ارادہ کیا گیا تو اس روز عرب اور ترک سپاہیوں کی زبانوں پر ایک ہی شعار یعنی "اللہ اکبر" کا نعرہ تھا جسے اناصوفیہ میں غازیوں نے بلند کی تو دمشق کی مسجد اموی، قاہرہ کی جامعہ ازہر قیروان کی جامعہ زیتونیہ اور بغداد و کوفہ صنعا و غرناطہ و فاس اور ساحل بحر اٹلانٹک تک اس کی صدا گونج گئی۔[2]

لیکن اس کے ابد بلکہ حد یہ ہے کہ اس سے پہلے کی بھی ان کی جتنی تقریریں اور تحریریں ہم کو نظر آتی ہیں اس میں عثمانی خلافت کو سامراج قرار دیا گیا ہے چنانچہ المیثاق الوطنی میں عثمانی عہد کو انھوں نے صاف صاف "عہد ظلمت" قرار دیا ہے —— لکھتے ہیں کہ۔

وقبل ان ینزل ظلام الغزو العثمانی علی المنطقۃ باسرھا کان شعب مصرقد تحمل ببسالۃ منقطعۃ النظیر مسئولیات حاسمۃ لصالح المنطقۃ کلھا[3]

عثمانی سامراج!

وہ خلافت عثمانی کو فرانسیسی اور برطانوی سامراج کی سطح پر رکھتے ہیں اور اس کو بھی اسی قسم کا بدترین سامراج سمجھتے ہیں اور وہی زبان جو ایا صوفیا کے نعرۂ اللہ اکبر کی صدائے بازگشت جامعہ ازہر اور جامعہ قیروان میں ثابت کر رہی تھی اب یہ کہنے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کرتی کہ۔

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

---

[1] ایضاً

[2] ترکیا والسیاسۃ العربیۃ صفحہ ۵-۶ (اختصار کے ساتھ)

[3] المیثاق صفحہ ۱۹ جذور النضال المصری

[4] المیثاق صفحہ ۱۰۲

[5] فلسفۃ الثورۃ صفحہ ۲۵ (اختصار کے ساتھ)

قرآن کا پیام

(مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی)

کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا ج قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ ھُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّہٗ ج قَالَ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ج اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ○ ۳۸

جب کبھی زکریا ان کے پاس حجرہ میں آتے تو ان کے پاس کوئی چیز کھانے پینے کی پاتے (اور ایک بار) بولے مریم یہ کہاں سے تمھیں مل جاتی ہیں؟ وہ بولیں یہ اللہ کی طرف سے آجاتی ہیں بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے (بس) وہیں زکریا اپنے پروردگار سے دعا کرنے لگے۔ عرض کی کہ اے میرے پروردگار مجھے اپنے پاس سے کوئی پاکیزہ اولاد عطا کر۔ بیشک تو دعا کا (بڑا) سننے والا ہے۔

(اور اس پر وہ قدرۃً حیرت کر۔ تر)

المحراب۔ محراب حجرہ کو کہتے ہیں۔ جہاں کوئی سب سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھے۔ محراب مسجد کو بھی محراب اسی لئے کہتے ہیں کہ اس در میں امام نماز سب سے الگ اور تنہا کھڑا ہوتا ہے۔

کلما۔ ہیکل سلیمانی کی خادموں کے رہنے اور عبادت کرنے کے لئے ہیکل کے ادھر ادھر اوپر حجرے یا خلوت خانے بنے ہوئے تھے، انہی میں سے ایک حجرہ حضرت مریم کا تھا۔ حضرت زکریا ایک تو یوں بھی سردار خدام تھے اور اس حیثیت سے ہر خادم خادمہ کی نگرانی رکھنا آپ کے فرائض میں داخل تھا اور پھر حضرت مریم کے تو آپ عزیز قریب بزرگ و سرپرست بھی تھے۔ ان کے حجرہ میں قدرۃً آپ کی آمد و رفت رہا کرتی تھی قرآن کریم کے ایک ذرا سے لفظ کلما نے اس سارے مفہوم یعنی حضرت زکریا کی کثرت آمد و رفت اور غیر متوقع وجود رزق سب کی طرف اشارہ کر دیا۔

رزقا۔ کھانے پینے کا سامان مثلاً تر و تازہ میوے بعض قدیم جدت پسندوں نے "یہاں رزق کے معنی فیض اور علم و حکمت کے لئے ہیں۔ لیکن محققین نے نے کہا ہے کہ یہ تفسیر کی حدود سے تجاوز کر جانا، اور باطنیہ کی زبان اختیار کرنا ہے۔

رزقا کی تنوین تعظیم و تفخیم کے لئے ہے یعنی رزق کوئی ندرت کا پہلو رکھتا تھا۔

مریم اپنی ساری عظمت و جلالت کے باوجود بہرحال پیغمبر نہ تھیں اسی بنا پر محققین اہلسنت نے اس آیت کو اثبات کرامات اولیاء کے باب میں نص قرار دیا ہے۔ اور علماء فرقہ شیعہ بھی اس باب میں ان سے متحد ہیں۔ اختلاف صرف معتزلہ کو ہے۔

لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس رزق میں کرامت اور خرق عادت کا کوئی پہلو نہ تھا۔

اور عجب نہیں خوارق رزق کے باب میں کوئی بات نہ اللہ و رسول سے منقول ہے اور نہ تاریخ ہی سے ثابت ہے۔

یعنی لاتا تو میں ہی لاتا، میرے سوا اور کون اس سامان کا پہونچانے والا ہے؟ سوال اظہار حیرت کے لئے ہے۔

آیت سے اس مسئلہ کا بھی اثبات ہو گیا کہ پیغمبر تک کے لئے بھی اسباب ظاہری تک محدود و مقصود رہنا بالکل جائز ہے۔

(براہ راست اور بلا کسی واسطہ ظاہری کے) اہل اللہ کے ساتھ اس قسم کے خوارق کا ظہور کوئی انوکھی بات نہیں۔ ہوتے ہی رہتے ہیں اور بالفرض اس مومنہ قانتہ کو یہ سامان کسی ظاہری واسطہ ہی سے پہونچ رہے تھے، جب بھی اس کی نظر تو اس واسطہ پر نہیں براہ راست اللہ تعالیٰ پر تھی۔

(خواہ واسطوں سے ہو، خواہ بلا واسطہ اور بلا استحقاق)

اللہ جس طرح اپنی مشیت تکوینی کے ہر جزو میں آزاد ہے، اسی طرح تقسیم رزق کے باب میں بھی اس میں رد آگیا۔ ان مشرک قوموں کا جنھوں نے خوشحالی و بدحالی کو لازمی نتیجہ پہلے جنم کے اعمال کا قرار دیا ہے۔

(قدرت الٰہی کے تازہ کرشموں سے متاثر ہو کر)

ھنالک کا دوسرا ترجمہ "وہیں" کے علاوہ "معاً" بھی ہو سکتا ہے۔ ھنا ظرفیت کے لئے ہے۔ اور اس میں ظرف مکان اور ظرف زمان دونوں شامل ہیں۔ یعنی اسی جگہ بھی اور اسی وقت بھی۔

گو اصلی مفہوم ظرف مکان ہی کا ہو۔

ھنالک۔ آیت سے استدلال مکان مبارک میں دعا کی مقبولیت پر کیا گیا ہے۔ علیٰ ہذا، وقت مبارک میں بھی دعا کی مقبولیت پر حضرت زکریا کو جب یہ مشاہدہ ہو گیا کہ یہ مقام خرق عادت کے صدور کا ہے تو آپ بھی دعا کرنے لگے۔

(جو میرے سلسلہ وحی کو آگے چلا سکے)

ھب لی من لدنک۔ مجھے اپنی عنایت اسی طرح دے جیسے کہ والدہ مریم کو مریم عنایت

ہو چکی ہیں حضرت زکریا کا سن زیادہ ہو چکا تھا اور بیوی صاحبہ بھی عقیم سمجھی جا چکی تھیں۔ ایک خارق عادت واقعہ کو دیکھ کر آپ کا ذہن معاً اس طرف منتقل ہوا کہ جو خدا اس پر قادر ہے کہ بلا اسباب ظاہری بے فصل پر تر و تازہ میوے پہونچا دے وہ یقیناً اس پر بھی قادر ہے کہ اس سن میں مجھے نعمت اولاد سے سرفراز کر دے۔

من لدنک۔ یہ تعبیر صاف ظاہر کر رہی ہے کہ دعا کرنے والے کی نظر اس عالم اسباب میں بھی اسباب سے کہیں زیادہ مسبب الاسباب پر ہے۔

ذریۃ۔ اولاد کی خواہش ایک امر طبعی ہے اور زہد کیا معنی کمال زہد کے منافی نہیں۔ قرآن مجید نے بار بار پیغمبروں کی زبان سے اس قسم کی دعائیں نقل کر کے بتا دیا کہ وہ مذاہب حقیقت سے کتنی دور ہیں جنھوں نے بیوی اور بچوں کو مطلق صورت میں جنجال قرار دیا ہے۔ ہماری شریعت حقہ میں اولاد کی خواہش عین سنت انبیاء و صدیقین بتائی گئی ہے۔ اور صحیح بخاری میں مستقل عنوانات طلب ولد کے فضائل میں ہیں۔

ذریۃ طیبۃ۔ طیبۃ کے اضافہ نے اسے صاف کر دیا کہ اہل اللہ کی نظر آخرت پر بہرحال رہتی ہے۔ کوئی مضائقہ اولاد کی مطلق خواہش میں بھی نہ تھا لیکن حضرت زکریا اپنی دعا میں محض اولاد نہیں طیبہ اولاد صالح چاہتے ہیں جو ان کے بعد ان کی تبلیغ و توحید کے مشن کو جاری رکھے۔ اللہ والوں کی نگاہ میں اخلاقی و روحانی فضائل ہر صورت مقدم رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ ایسے امور کے لئے دعا کرنا جو اسباب قریبہ سے بعید کر ہوں، آداب دعا کے منافی نہیں۔

انجیل میں ہے کہ زکریا نام کا ایک کاہن تھا۔ اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی اور اس کا نام الیشبع تھا۔ اور ان کے اولاد نہ تھی۔ کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے" (لوقا ۱: ۵-۷)

(اور بڑا قبول کرنے والا ہے)

حق تعالیٰ کی اس صفت پر بار بار زور دینا مادی اور نیچری عقیدہ کے لوگوں کے رد میں ہے جو واقعات کو تمام تر اسباب ظاہری ہی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اور ارادۂ حق تعالیٰ کے لئے کوئی گنجائش نہیں رکھتے۔

سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری رح
بانی ندوۃ العلماء
از سید محمد الحسنی
مدیر "البعث الاسلامی" و "تعمیر حیات"
ندوۃ العلماء کے محسن اور نصب العین اس کے کردار اور تاریخ، اس کی خدمات اور خصوصیات اور اس کے بانی و داعی و مربی کے سوانح حیات اور حالات و کمالات سے واقفیت کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے
معیاری کتابت و طباعت۔ مجلد مع گرد پوش
مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

رمضان کے فضائل

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

رمضان المبارک کا مہینہ مسلمانوں کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ کا بہت ہی بڑا انعام ہے مگر جب ہی کہ اس انعام کی قدر کی جائے۔ ورنہ ہم سے محروموں کے لئے ایک مہینہ تک رمضان رمضان چلائے جانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری اُمت یہ تمنا کرے کہ سارا سال رمضان ہی ہوجائے۔ ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ سال بھر کے روزے رکھنے کارے دارد مگر رمضان المبارک کے ثواب کے مقابلہ میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ لوگ اسکی تمنا کرنے لگیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ رمضان المبارک کے روزے اور ہر مہینے میں تین روزے رکھنا دل کی کھوٹ اور وساوس کو دور کرتا ہے۔ آخر کوئی تو بات ہے کہ صحابہ کرامؓ رمضان کے مہینے میں جہاد کے سفر میں باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار افطار کی اجازت فرما دینے کے روزہ کا اہتمام فرماتے حتیٰ کہ حضورؐ کو حکماً منع فرمانا پڑا۔

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ ایک غزوہ کے سفر میں ایک منزل پر اترے گرمی نہایت سخت تھی اور غربت کی وجہ سے اس قدر کپڑا بھی سب کے پاس نہ تھا کہ دھوپ کی گرمی سے بچاؤ کرلیں۔ بہت سے لوگ اپنے ہاتھ سے آفتاب کی شعاع سے بچتے تھے۔ اسی حالت میں بھی بہت سے روزے دار تھے۔ جن سے کھڑا ہوسکنے کا تحمل نہ ہوا اور گر گئے۔ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت گویا ہمیشہ تمام سال روزے دار ہی رہتی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سینکڑوں روایات میں مختلف انواع کے فضائل نقل کئے گئے جن کا احاطہ تو مجھ جیسے ناکارہ کے امکان سے خارج ہے۔ لیکن میرا یہ بھی خیال ہے کہ اگر ان کو کچھ تفصیل سے لکھوں تو دیکھنے والے اُکتا جائیں گے کہ اس زمانہ میں دینی امور میں جس قدر بے التفاتی کی جارہی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ علم و عمل دونوں میں جس قدر بے پروائی دین کے بارے میں بڑھتی جارہی ہے وہ ہر شخص اپنی ہی حالت میں غور کرنے سے معلوم کر سکتا ہے۔

حدیث: حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی آخر تاریخ میں ہم لوگوں کو وعظ فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک مہینہ آرہا ہے جو بہت بڑا مہینہ ہے بہت مبارک مہینہ ہے۔ اس میں ایک رات ہے (شب قدر) جو ہزاروں مہینوں سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزہ کو فرض فرمایا اور اس کے رات کے قیام (یعنی تراویح) کو ثواب کی چیز بنایا ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں فرض ادا کیا اور جو شخص اس مہینہ میں کسی فرض کو ادا کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کرے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غمخواری کرنے کا ہے اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے لئے گناہوں کے معاف ہونے اور آگ سے خلاصی کا سبب ہوگا۔ اور روزہ دار کے ثواب کی مانند اس کو ثواب ملے گا۔ مگر اس روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے ہر شخص تو اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے تو آپ نے فرمایا کہ (پیٹ بھر کھلانے پر موقوف نہیں) یہ ثواب تو اللہ جل شانہٗ ایک کھجور سے کوئی افطار کرادے یا ایک گھونٹ پانی پلادے یا ایک گھونٹ لسی پلادے اس پر بھی مرحمت فرما دیتے ہیں۔ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اول حصہ اللہ کی رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آگ سے آزادی ہے جو شخص اس مہینہ میں ہلکا کردے اپنے غلام (و خادم) کے بوجھ کو حق تعالیٰ شانہٗ اس کی مغفرت فرماتے ہیں اور آگ سے آزادی فرماتے ہیں۔ اور چار چیزوں کی اس میں کثرت رکھا کرو جن میں دو چیزیں اللہ کی رضا کے واسطے اور دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے تمہیں چارۂ کار نہیں پہلی دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی رکھو وہ کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت ہے اور دوسری دو چیزیں یہ ہیں کہ جنت کی طلب کرو اور آگ سے پناہ مانگو۔ جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے حق تعالیٰ (قیامت کے دن) میری حوض سے اس کو ایسا پانی پلائیں گے جس کے بعد جنت میں داخل ہونے تک پیاس نہیں لگے گی۔

ف: محدثین کو اس کے بعض رواۃ میں کلام ہے۔ لیکن اول تو فضائل میں اس قدر کلام قابل تحمل ہے دوسرے اس کے اکثر مضامین کی دوسری روایات مؤید ہیں۔ اس حدیث سے چند امور معلوم ہوتے ہیں اول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام کہ شعبان کی اخیر تاریخ میں خاص طور سے اس کا وعظ فرمایا اور لوگوں کو اس کی تنبیہ فرمائی تاکہ رمضان کا ایک سکنڈ بھی غفلت سے نہ گزر جائے پھر اس وعظ میں تمام مہینے کی فضیلت بیان فرمانے کے بعد چند اہم امور کی طرف خاص طور سے متوجہ فرمایا۔ سب سے اول شب قدر کہ وہ حقیقت میں بڑی اہم رات ہے

اس کے بعد ارشاد ہے کہ اللہ نے اس کے روزہ کو فرض کیا۔ اور اس کے قیام یعنی تراویح کو سنت کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تراویح کا ارشاد بھی خود حق سبحانہٗ و تقدس کی طرف سے ہے پھر جن روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو اپنی طرف منسوب فرمایا کہ میں نے سنت کیا ان سے مراد تاکید ہے کہ حضورؐ اس کی تاکید بہت فرماتے تھے۔ اسی وجہ سے سب ائمہ اس کے سنت ہونے پر متفق ہیں۔ برہان میں لکھا ہے کہ مسلمانوں میں سے روافض کے سوا ۔۔۔ کوئی اس کا منکر نہیں۔

حضرت مولانا الشاہ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ نے ماثبت بالسنۃ میں بعض کتب فقہ سے نقل کیا ہے کہ کسی شہر کے لوگ اگر تراویح چھوڑ دیں تو اس کے چھوڑنے پر امام ان سے مقاتلہ کرے

اس جگہ خصوصیت سے ایک بات کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ جلدی سے کسی مسجد میں آٹھ دس دن میں کلام مجید سن لیں پھر چھٹی۔ یہ خیال رکھنے کی بات ہے کہ یہ دو سنتیں الگ الگ ہیں، تمام کلام اللہ شریف کا تراویح میں پڑھنا یا سننا یہ مستقل سنت ہے اور پورے رمضان شریف کی تراویح مستقل سنت ہے پس اس صورت میں ایک سنت پر عمل ہوا اور دوسری رہ گئی۔ البتہ جن لوگوں کو رمضان المبارک میں سفر وغیرہ یا اور کسی وجہ سے ایک جگہ روزانہ تراویح پڑھنی مشکل ہو، ان کے لئے مناسب ہے کہ اول قرآن شریف چند روز میں سن لیں تاکہ قرآن شریف ناقص نہ رہے، پھر جہاں وقت ملا اور موقع ہوا وہاں تراویح پڑھ لی، کہ قرآن شریف بھی اس صورت میں ناقص نہیں ہوگا اور اپنے کام کا بھی حرج نہ ہوگا۔ حضورؐ نے روزہ اور تراویح کا ذکر فرمانے کے بعد عام فرض اور نفل عبادات کے اہتمام کی طرف متوجہ فرمایا کہ اس میں ایک نفل کا ثواب دوسرے مہینوں کے فرائض کے برابر ہے اور اس میں ایک فرض کا ثواب دوسرے مہینوں کے ستر فرائض کے برابر ہے اس جگہ ہم لوگوں کو اپنی اپنی عبادات کی طرف بھی ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس مبارک مہینہ میں فرائض کا ہم سے کس قدر اہتمام ہوتا ہے اور نوافل میں کتنا اضافہ ہوتا ہے۔ فرائض میں تو اہتمام کی یہ حالت ہے کہ سحر کھانے کے بعد جو سوتے ہیں تو اکثر صبح کی نماز قضا ہوگئی اور کم از کم جماعت تو اکثروں کی فوت ہو ہی جاتی ہے۔ گویا سحر کھانے کا شکریہ ادا کیا کہ اللہ کے سب سے زیادہ مہتم بالشان فرض کو بالکل قضا کر دیا یا کم از کم ناقص کر دیا کہ بغیر جماعت کے نماز پڑھنے کو اہل اصول نے ادائے ناقص فرمایا ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ایک جگہ ارشاد ہے کہ مسجد کے قریب رہنے والے کی تو گویا نماز بغیر مسجد کے ہوتی ہی نہیں۔

مظاہر حق میں لکھا ہے کہ جو شخص بغیر عذر کے بدون جماعت نماز پڑھتا ہے اس کے ذمہ سے فرض تو ساقط ہو جاتا ہے مگر اس کو نماز کا ثواب نہیں ملتا۔ اسی طرح دوسری نماز مغرب کی بھی جماعت اکثروں کی افطار کی نذر ہوجاتی ہے اور رکعت اولیٰ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور بہت سے لوگ تو عشاء کی نماز بھی تراویح کے احسان کے بدلے میں وقت سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں۔ یہ تو رمضان المبارک میں ہماری نماز کا حال ہے جو اہم ترین فرائض میں ہے کہ ایک فرض کے بدلے میں تین کو ضائع کیا، یہ تین تو اکثر ہیں ورنہ ظہر کی نماز قیلولہ کی نذر اور عصر کی جماعت افطاری کا سامان خریدنے کی نذر ہوتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا گیا ہے

مولانا سید طلحہ صاحب حسنی ایم اے مرحوم

سابق پروفیسر اورینٹل کالج لاہور

مئی ۱۹۷۰ء میں نزہۃ الخواطر[1] کا آٹھواں اور آخری حصہ دائرۃ المعارف حیدرآباد سے چھپ کر آیا تو اس وقت یہ احساس انکشاف ہوا کہ اس چودہویں صدی ہجری کی جن نامور اور باکمال شخصیتوں کے اس جلد میں حالات ہیں اور جن کی تعداد (۵۶۳) ہے اب ان میں صرف مولانا سید طلحہ صاحب حسنی بقید حیات ہیں۔ باقی سب اس دار فانی سے رحلت کر چکے اس احساس و دریافت میں حسرت و مسرت کی آمیزش تھی۔ حسرت زیادہ کہ اب ان صاحبان فضل و کمال میں سے کوئی بھی اس دنیا میں موجود نہیں جو ایک جوہر شناس مؤرخ و سوانح نگار کے قلم سے کھینچی ہوئی اپنی تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے اور اپنے علمی و عملی کارناموں اور کوششوں کی داد پا سکے تھوڑی سی مسرت اس بات کی تھی کہ ایک آدمی ابھی ایسا موجود ہے جو اس کتاب میں اپنا تذکرہ پڑھ سکے اور جن معاصرین کے حالات اس کتاب میں ہیں ان میں سے اکثر کے چہرے اس کے جانے پہچانے ہیں نامور معاصرین کی زندگیوں کا انہوں نے بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا اور ان کے متعلق وہ بڑی جچی تلی اور بے لاگ رائے رکھتے تھے، انسانی زندگیوں کے بڑے باریک پہلوؤں پر اور مشاہیر و اہل کمال کے عجیب و حیرت انگیز تناقضات پر جو بشریت کا خاصہ اور خاص واقعات و حالات کا نتیجہ ہوتے ہیں ان کی بڑی گہری نگاہ تھی اس لئے اندازہ تھا کہ اس جلد کے مطالعہ سے وہ جتنے لطف اندوز و محظوظ ہوں گے شاید اس برصغیر میں کوئی اور نہ ہو سکے اور اس کے متعلق جیسی بصیرانہ اور ناقدانہ رائے وہ دے سکتے ہیں شاید کوئی دوسرا نہ دے سکے پھر مصنف مرحوم سے ان کو قرابت[2]، رفاقت، محبت و عقیدت کا جو تعلق رہا ہے اس کی بنا پر وہ جس ذوق و سرشاری کے ساتھ اس کتاب کو پڑھیں گے وہ کسی دوسرے اہل علم کے لئے مشکل ہے۔

اس کا نتیجہ تھا کہ جب یہ کتاب چھپ کر آئی تو میری سب سے بڑی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ یہ کتاب (جس کی) سات جلدیں ان کے مطالعہ سے بار بار گذر رہی تھیں جلد سے جلد ان کے پاس پہونچ جائے، زندگی کا چراغ گل ہوتے کچھ دیر نہیں لگتی اور اب تو ان کی عمر اسی سے متجاوز تھی اور وہ عرصہ سے چراغ سحری ہو رہے تھے، کچھ دفعہ کے ساتھ کراچی سے جب کوئی خط آتا تھا تو دل ڈرتا تھا کہ کہیں اس میں اس واقعہ کی خبر نہ ہو جو کسی نہ کسی دن پیش آنا تھا۔ ادھر پاکستان کے نئے قانون کی رو سے کوئی کتاب (خواہ وہ کیسی معصوم علمی و دینی کتاب ہو) ہندوستان سے پاکستان نہیں جا سکتی تھی، خدا جانے اس عرصہ میں کتنے مصنفین کی حسرتوں کا خون ہوا، اور کتنے شائقین علم کیسے کیسے محبوب مصنفین اور دوستوں کی تحریروں اور کیسی کیسی مفید اور ضروری کتابوں کے مطالعہ کا اشتیاق اور حسرت لیکر دنیا سے چلے گئے۔ بڑی بے کلی اور بے چینی تھی کہ یہ کتاب جس میں سیکڑوں کی تعداد میں ان مشاہیر اور اہل علم کا بھی تذکرہ ہے جو اس سرزمین کی خاک سے اٹھے اور دفن ہیں یہ سرزمین جو اب پاکستان میں شامل ہے، وہ چار پاکستانی علماء اور احباب کے ہاتھوں میں پہونچے جو اس کے لئے چشم براہ ہیں۔ اور جن کو اپنی تحقیقات و تصنیفات میں اس سے کام لینا ہے اس میں سرفہرست مولانا سید طلحہ صاحب کا نام تھا۔ اس میں کچھ جذباتی اور ذاتی لگاؤ بھی تھا۔ اور مسئلہ خالص علمی و افادی کا نہ تھا شخصی اور خاندانی بھی تھا۔ اس میں کچھ خودغرضی اور طفلانہ خواہش بھی شامل تھی، در حقیقت زندگی کی لذت بہت کچھ انہیں چیزوں کے دم سے ہے جو خالص عقل و فلسفہ کی پیداوار نہیں، جی یہ چاہتا تھا کہ وہ اس کتاب کو پڑھ کر اپنے قلبی تاثرات کا اظہار کریں اور مصنف کی محنتوں اور کوششوں کی داد دیں۔ اپنا پرانا زمانہ یاد کریں اور یاد دلائیں جب وہ لاہور سے گرمیوں کی تعطیلات میں آتے تھے اور مصنف اس کتاب کے بعض مقامات ان کو پڑھ کر سناتے تھے، دل کا ایک چور بھی تھا کہ یہ معلوم ہو کہ راقم سطور نے اس میں اپنے اضافہ کا جو پیوند لگایا اور قلم سے قلم ملانے کی جو کوشش کی ہے اس میں وہ کہاں تک کامیاب رہا؟ یہ بات جیسی بصیرت، اعتماد اور صفائی و بیباکی کے ساتھ وہ بتا سکتے ہیں کوئی دوسرا نہیں بتا سکتا۔ اس لئے کہ برصغیر میں وہی چار آدمی ایسے ہوں گے جو عربی انشاء و تحریر کا ذوق اور عربی کے اسالیب بیان پر ایسی ناقدانہ نگاہ رکھتے ہوں، پھر وہ میرے استاذ بھی ہیں اور بزرگ بھی وہ اس بارے میں کسی اور رعایت سے کام نہیں لیں گے ان کے تاثرات کے دو جملے میرے لئے تو تعریفوں کے بیسیوں صفحات پر بھاری ہیں۔

خدا کی مہربانی سے ایک ایسا موقع و ذریعہ ہاتھ آگیا کہ یہ کتاب جون کے آخر میں ان کو مل گئی، اور جیسی توقع تھی انہوں نے ضعف اور بیماریوں کے باوجود کم سے کم مدت میں اس کا مطالعہ کر لیا اور اس تحفہ کی مفصل رسید بھیجی جو اس کتاب پر کہا جا سکتا ہے کہ سب سے بڑا منصفانہ و بصیرانہ تبصرہ تھا جن لوگوں کو تحریر و تصنیف کا تھوڑا بہت تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ ایک مصنف کے لئے جس نے اپنی تصنیف میں خون جگر صرف کیا ہو بعض اوقات تعریف کے صفحات کے صفحات سے وہ خوشی نہیں ہوتی اور اس کو وہ اپنی محنت کی اصل داد نہیں سمجھتا جتنا کسی مبصر کے دو جملے جس سے تصنیف کے اصل جوہر و مصنف کی اصل محنت کا اظہار ہوتا ہے۔ کام کرنے والے کی ساری محنت وصول ہو جاتی ہے۔ یہ خط کچھ اسی طرح کا تھا اس اعتراف کے ساتھ کہ کتاب کی تکمیل کرنے والا اپنی پیوند کاری میں بڑی حد تک کامیاب ہوا ہے اس کی تحریر پر ایک دو استاذانہ اصلاحات بھی تھیں، بہرحال خدا نے بڑی آرزو پوری کی اور یہ کتاب ان کی زندگی میں چھپ بھی گئی اور انھوں نے ملاحظہ بھی فرمالی۔ اس دور میں جب فضل و کمال کا اعتراف "داد و ستد" کا معاملہ رہ گیا ہے۔ اور صرف شہرت و ناموری کسی خاص جماعت و گروہ سے انتساب، تصنیفات کی کثرت یا تلامذہ و معتقدین کے حلقہ کی وسعت ہی کسی آدمی کے قابل تعریف و قدر دانی ہونے کا معیار رہ گیا ہے۔ اور بدقسمتی سے ان میں سے کوئی بات ان کو حاصل نہ تھی انھوں نے اپنا تذکرہ جو حق تلفی اور مبالغہ دونوں سے مبرا تھا۔ خود پڑھ لیا۔ انھوں نے اپنے خط میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا اور نہ ان سے اس کی امید تھی۔ لیکن میں اپنے قلب کو اطمینان و مسرت سے لبریز پاتا ہوں کہ یہ کتاب ان کی نظر سے گذر گئی ورنہ بہت سی حسرتوں کے ساتھ یہ حسرت بھی رہ جاتی کہ یہ کتاب جب شائع ہوئی تو وہ اس دنیا میں نہ تھے وہ فلاں شخصیت کا ترجمہ پڑھتے تو خوش ہوتے اور اس کی تصویر ان کی آنکھوں کے سامنے آجاتی، فلاں بزرگ کا حال پڑھتے تو اس کی داد دیتے اور شاعر کی زبان میں کہنا پڑتا کہ ؎

یک حرف کاشکے است کہ صد جا نوشتہ ایم

بالآخر اس جلد کا یہ ورق بھی الٹ گیا اور اس کی شخصیتوں میں سے یہ آخری شخصیت جو کتاب کی اشاعت کے بعد زندہ تھی ان باکمالوں کی صف میں شامل ہو گئی جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور اب ان اہل کمال کی طویل فہرست میں ایک نام بھی ایسا نہیں ہے جس سے اس دنیا میں ملاقات ہو سکے یا اس کے فضل و کمال سے استفادہ کیا جا سکے۔ ستمبر ۱۹۷۰ء کی آخری تاریخ تھی کہ کراچی سے پہلے ان کے بھتیجے عزیز ذکیر حسین سلمہ پھر ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر سید ابوبکر صاحب حسنی کا خط ملا کہ مولانا سید طلحہ صاحب نے ۲۳ رجب ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء جمعہ کے دن دس بجے دن کو کراچی کے ایک ہسپتال

---

[1] نزہۃ الخواطر (مؤلفہ مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ) میں ان باکمال و نامور افراد کے حالات ہیں جو ہندوستان میں داخلہ اسلام کے بعد سے اس سرزمین سے اٹھے اور انھوں نے اپنی کوئی علمی یا عملی یادگار چھوڑی یا کوئی امتیاز پیدا کیا۔ یہ کتاب آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے اور اس میں ساڑھے چار ہزار سے زیادہ علماء و اعیان کا تذکرہ ہے۔

[2] وہ مصنف نزہۃ الخواطر کے بہنوئی تھے، میری بڑی پھوپھی صاحبہ ان سے منسوب تھیں، اس تقریب سے ہمارا گھر ان کا گھر تھا اور ان کا گھر ہمارا گھر

یہ جوان جہاں آخرت کے سپرد کی کم از کم زیست انجام کی ... کو سامنے رکھتے ہوئے ذات کا یہ شعر حسب حال

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

خطوں کی اطلاع کے مطابق اتوار روز جمعہ کو جب دارالعلوم شہر کے مرکز زندگی سے میلوں دور مجاہد آباد کالونی کے ایک دور افتادہ قبرستان میں جہاں اس سے پہلے غالباً ان کے نامور خاندان کا کوئی فرد دفن نہیں ہوا تھا وہ سپرد خاک کیے گئے دفن کرنے والوں میں بہت کم لوگ ہوں گے جن کو اس کا حقیقی علم و ادراک ہوگا کہ وہ کس جامع کمالات ہستی، قدیم و جدید مشرقی و مغربی علوم اور معقولات و نقلیات کے کس مجمع البحرین اور علم و عمل کے کس خزانہ کو، جو شہر تھا کثیر "رہا ہمیشہ کے لئے زمین میں دفن کر رہے ہیں اور کراچی کے اس شہر کو خطاب کر کے جو ہمیشہ سے صرف ایک بڑا تجارتی مرکز رہا ہے اور اب بھی علم و کمال کا حقیقی طور پر جوہر شناس نہیں، غالب کا یہ شعر زیادہ صحیح ہوگا کہ

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کیے

آج جب کہ ان کے انتقال کو پندرہ سولہ روز ہو گئے ہیں اور مشرقی یو۔پی کی طوفانی بارشوں اور سیلاب کی لائی ہوئی پریشانیوں سے نجات پا کر اپنے اس مستقر (دائرہ شاہ علم اللہؒ) پر واپس آنا نصیب ہوا ہے جو ان کے آباء کرام کا مسکن و مدفن ہے، اور جہاں انھوں نے اپنی زندگی کے غالباً سب سے زیادہ سکون و مسرت کے دن گزارے ہیں تو داغ کہن تازہ ہو گئے، وہ پرانی صحبتیں، ان کی پرلطف مجلسیں، ان کے علمی افادات و تحقیقات، ان کے تبصرے و تذکرے ایک ایک کر کے حافظہ کے اندر ابھرنے لگے اور تصویر کی طرح آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے۔ آج قلم ہاتھ میں لیکر بیٹھا ہوں کہ ان کے متعلق لکھوں اور جو نہیں جانتے ان کو بتانے کی کوشش کروں کہ وہ ہر تبصرہ کو نہایت گمنامی و خاموشی کے ساتھ علم و کمال کی کونسی شمع گل ہوئی تھی اور علماء و طلبہ کی جن کا اصل سرمایہ زندگی علمی استعداد و نگاہ کی گہرائی اور علوم و کمالات کا تفنن و تنوع تھا، کونسی نشانی نگاہوں کے سامنے سے ہمیشہ کے لئے مستور ہو گئی۔

لیکن کہانی کہاں سے شروع کروں، اور ان کے اوصاف و کمال میں سے پہلے کس کمال کا تذکرہ کروں، وہ میری نگاہ میں صرف و نحو کے امام تھے۔ عربی کے ایسے ادیب و عالم تھے کہ عہد جاہلی و اسلامی کے مسلم الثبوت شعراء کے کئی ہزار اشعار ممکن ہے کہ ان کی تعداد دس ہزار سے کم نہ ہو ان کو حفظ اور نوک زبان تھے، اسی طرح اساتذۂ فارسی و اردو کا منتخب کلام ان کو بکثرت یاد تھا۔ عربی کے علوم بلاغت، معانی و بیان پر ان کی وسیع اور گہری نظر تھی اور اعجاز القرآن پر اس برصغیر ہند و پاکستان کے چند ہی علماء کا مطالعہ اتنا وسیع ہوگا اور اس کا علم ایسا مستحضر ہوگا جیسا ان کو تھا[1]۔ اصول فقہ و علم کلام کی قدیم کتابوں پر جو عبور

فن کے قلم سے نکلی ہیں۔ ان کی درسگاہ واحد دارالعلوم ندوہ نگاہ تھی، منطق و فلسفہ و ادبیات و ... کی کتابوں پر حاوی تھے جہاں تک تاریخ اسلام کا تعلق ہے اس برصغیر میں ان سے زیادہ اگر کسی کا علم وسیع ہو تو مجھے انکار نہیں۔ "فوق کل ذی علم علیم"۔ لیکن ایسے علم و واقفیت کی مثال اسلامی تاریخ، اس کے سنین اور اس کے اہم واقعات کسی کو اتنے مستحضر و محفوظ نہیں تھے جتنے ان کو تھے، کہا جا سکتا ہے کہ وہ تاریخ کی ایک بولتی ہوئی کتاب تھے جن کو کسی سنہ یا واقعہ کے بیان کرنے میں اصل ماخذوں کی طرف مراجعت کرنے کی کم ضرورت پیش آتی، اس میں بہت کچھ ان کے غیر معمولی حافظہ کو دخل تھا، جس کی بدولت انھوں نے اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد صرف چار مہینہ میں قرآن حفظ کر لیا اور جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ آخر تک بہت پختہ تھا۔ نیز ان کے فطری تاریخی ذوق کو جس کو ہم تاریخی حاسہ سے تعبیر کر سکتے ہیں اور جو ہر ایک کو فطرت سے نہیں ملا کرتا اس سے ان کے اندر ایک ایسا ملکہ پیدا ہو گیا تھا کہ کسی تاریخی غلطی کے گرفت کرنے کے لئے ان کا ذوق سلیم اور ان کا بالغ تاریخی شعور کافی تھا۔ جیسے بعض فطری شاعر اور ماہرین فن، فن عروض کی مدد کے بغیر موزوں شعر کہتے ہیں اور شعر کی عدم موزونیت یا بحر سے الگ ہو جانے کا ادراک کر لیتے ہیں، ان کے تاریخی شخصیتوں کے سنین وفات اور اہم تاریخی واقعات یاد کرانے کے عجیب عجیب چٹکلے اور آسان نسخے تھے جو ان کے خداداد حافظہ کا نتیجہ تھے، علم فرائض میں بھی مہارت تھی اور اس کی مشق کرانے کا بڑا ذوق تھا۔ نجوم کی معرفت ان کے طلوع و غروب کے اوقات و بروج کو خوب پہچانتے اور اپنے ہم نشینوں اور شاگردوں کو اس علم اور ذوق میں شریک کرنے کا ایسا شوق تھا جو میرے جیسے بدذوق اور کم نگاہ آدمی کے لئے بعض اوقات آزمائش بن جاتا ہیئت فلکیات اور جغرافیہ کے ہر دور میں ان کو مناسبت اور ذوق رہا اور اس کے خصوصی عالم اور ماہر کہیں مل جاتے تو وہ سب بھول کر اپنے علم و معلومات کی توسیع اور اس سے استفادہ کرنے میں مشغول ہو جاتے۔ علم مجلسی اور معلومات عامہ میں انکی مثل سے نظیر ملے گی۔ ہر طرح کے رطب و یابس و لطائف اور نوادر و حکایات ان کو یاد تھیں۔ طبقات رجال اور تراجم و احوال ان کے مطالعہ کا خاص موضوع تھا اور مشکل سے کوئی اہم تذکرہ اور تراجم کی کتاب ان کی نظر سے مخفی رہی ہوگی۔ قدیم شخصیتوں کے مرتبوں اور ان کے مراتب کے تعین و ترتیب سے بڑے باخبر تھے۔ ان کی مجلسوں میں سلف کی عظمت، متقدمین کے مراتب سے واقفیت اور ائمہ اہل سنت و محدثین کی محبت و عقیدت مزید پیدا ہو جاتی تھی اس بارے میں ذاتی طور پر مجھ پر ان کا بڑا احسان ہے کہ انھوں نے صحابہ و سلف کی عظمت اور ائمہ محدثین اور سنت کے علمبرداروں کی محبت و عقیدت ایسی دل میں جاگزیں کر دی کہ کسی دور میں بھی کوئی مطالعہ اور تحقیق اور کوئی صحبت اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

[1] اس کا شاہد ان کا وہ فاضلانہ مضمون ہے جو "مجاز القرآن اور قرآن کی بلاغت کے مختلف پہلو" پر فاروقی ۲۱ تا ۳۳ء میں رسالہ ... دہلی کے ایک ضخیم نمبر میں شائع ہوا تھا۔

مولانا سید طلحہ صاحب کے والد کا نام سید محمد رضا جو ریاست ٹونک میں معتمد الملک ظفر جنگ کے لقب سے ممتاز اور ناظم پرگنات (کلکٹر) کے عہدہ پر فائز تھے سید محمد صاحب حضرت سید احمد شہیدؒ کے بڑے بھانجے مولوی سید محمد علی صاحب مصنف مخزن احمدی کے حقیقی پوتے تھے اس طرح ان کو سید شہیدؒ سے قرابت قریبہ حاصل تھی، مولانا سید طلحہ صاحب کے چچا بخشی الملک محمد عثمان صاحب بھی مالیات کے ایک بڑے منصب پر سرفراز تھے، ان کے خاندان کو ریاست میں بڑی دنیاوی و دینی وجاہت حاصل تھی اور اس کو ریاست کی طرف سے بڑی جاگیر ملی ہوئی تھی انھوں نے بڑے فارغ البالی بلکہ ایک طرح سے تنعم اور امارت کے ماحول میں آنکھیں کھولیں اور زندگی کا ابتدائی زمانہ گزارا، ان کی پیدائش ۱۳۰۸ھ (سنہ ۱۸۹۱ء) میں، وہیں محلہ قافلہ[1] ٹونک میں ہوئی اور وہیں ابتدائی تعلیم پائی۔ وہ دس سال کے تھے کہ ۱۳۱۸ھ (سنہ ۱۹۰۰ء) میں ان کے عزیز و بزرگ مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مددگار ناظم ندوۃ العلماء اپنے اعزاء و بزرگوں سے ملنے کے لئے ٹونک آئے جب کچھ دن قیام کرنے کے بعد واپس جانے لگے تو بزرگوں نے . . . . دینی تعلیم کے لئے اس ہونہار بچہ کو ان کے ساتھ کر دیا اور وہ لکھنؤ آ کر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہو گئے اور وہیں انھوں نے کئی سال تک تعلیم حاصل کی اس وقت مولانا سید محمد علی مونگیری ناظم، علامہ شبلی نعمانی معتمد اور ان کے قابل فخر استاد مولانا محمد فاروق چریاکوٹی صدر مدرس اور مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ طالب علم تھے پھر ٹونک میں جو ان کا آبائی وطن اور اپنے وقت میں ایک بڑا علمی و دینی مرکز تھا مدرسہ ناصریہ میں مولانا سیف الرحمن صاحب مہاجر کابل اور مولانا حیدر حسن خاں صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء سے علوم کی تکمیل کی، پھر درس نظامی کے عام فضلاء کے معمول اور دستور کے مطابق ذریعہ معاش کے لئے طب کا انتخاب کیا، اور دہلی جا کر خاندان شریفی کے مقتدر فرد حکیم غلام رضا خاں صاحب سے باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل کی اور کچھ عرصہ بمبئی میں مطلب بھی کیا[2]۔ اس زمانہ میں پنجاب یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات کا سارے ہندوستان میں چرچا تھا اور ذی استعداد اور حوصلہ مند طلبہ ملک کے گوشہ گوشہ سے کھنچ کر مولوی فاضل و منشی فاضل کا امتحان دینے لاہور جاتے تھے شاید کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اس عہد کے بہت سے نامور فضلاء اپنی جوانی میں اس منزل کو طے کر چکے ہیں، عربی زبان کے مشہور محقق علامہ عبدالعزیز میمن مولوی فاضل ہیں، اور مناظر اہل

[1] محلہ قافلہ ریاست ٹونک کا مشہور محلہ ہے جس کو حضرت سید احمد شہیدؒ کی شہادت کے بعد نواب وزیر الدولہ والی ٹونک نے حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان اور قافلہ کے لئے بسایا تھا اور اس میں ان حضرات کو آباد کیا۔

[2] طب سے مولانا کو آخر تک مناسبت رہی مجھے خوب یاد ہے کہ جب والد صاحب مرحوم کسی روز کے لئے لکھنؤ سے باہر جاتے تو مولانا ان کی جگہ مطلب میں بیٹھتے کچھ عرصہ لکھنؤ میں [illegible] والی گلی میں مستقل مطلب بھی کیا۔

سنت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری ہمیشہ اپنے رسالہ "اہل حدیث" کے سرورق پر اپنے نام کے ساتھ مولوی فاضل لکھتے رہے مولانا سید طلحہ صاحب نے بھی مولوی فاضل و منشی فاضل کا امتحان دیا اور جہاں تک مجھے یاد ہے وہ مولوی فاضل کے امتحان میں ساری یونیورسٹی میں اول آئے یہی ان کے اورینٹل کالج لاہور میں بحیثیت استاد کے تقرر کی تقریب بن گئی وہ سنہ ۱۳۳۵ھ (سنہ ۱۹۱۶ء) میں کالج کے استاد مقرر ہوئے اور پورے پچیس سال اس عہدہ پر قائم رہے اس طرح انھوں نے اپنی زندگی کی طویل ترین اور خوشگوار ترین مدت لاہور میں گزاری جو ہر طرح کے اہل کمال کا ملجا و ماوی اور ہر ذوق، ہر تحریک، ہر سرگرمی اور ہر مسلک و خیال کا مرکز تھا۔ وہ لاہور کی ہر علمی و ادبی سوسائٹی اور حلقہ میں نہ صرف مانوس بلکہ مکرم و محترم رہے۔ ان مختلف حلقوں اور ذوقوں سے تعلق و ربط اور کسی ایک ادارہ یا جماعت سے عدم وابستگی نے ان کے کمالات میں رنگارنگی ان کے ذہن میں وسعت و جامعیت پیدا کر دی ان کو اس جماعتی عصبیت اور تنگ نظری سے محفوظ رکھا جو پوری عمر کسی مخصوص ادارہ میں گزار دینے والوں میں عام طور پر پیدا ہو جاتی ہے وہ علم کے بلبل شیدا کی طرح ہر شاخ گل پر بیٹھتے اور چہکتے، شہد کی مکھی کی طرح ہر پھول سے رس چوستے اور اس کو شہد خالص میں تبدیل کر دیتے۔ علم کے ہر چشمہ و ہر شیرینی سے اپنی پیاس بجھاتے، ہر صاحب کمال اور کسی فن میں بھی امتیاز خاص رکھنے والے کے سامنے ان کو زانوئے تلمذ تہ کرنے اور طالب علمانہ استفادہ کرنے میں تکلف نہ تھا علم کے بازار میں ان کا نعرہ "هل من مزيد" اور "هل من جديد" تھا، اس عادت نے جو ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، ان کو علمی طور پر جتنا فائدہ پہنچایا ہو، ان کے فضل و کمال پر ہمیشہ پردہ ڈالا اور اچھے اچھے محرمان راز سے ان کے علمی مرتبہ و مقام کو مخفی رکھا۔

ظاہر پرست معاشرہ نے کبھی ان لوگوں کا قصور معاف نہیں کیا جو اپنے کمال کا اظہار کرنے اور دوسروں پر اپنا علمی تفوق قائم کرنے کے بجائے نئے بھیدوں اور موتیوں کے لئے اپنا دامن پھیلاتے ہیں اور اپنی طلب و اشتیاق کا اظہار کرتے ہیں بعض اوقات بے علم و کم نگاہ ہم وطنوں نے نہیں مورخوں اور سوانح نگاروں نے بھی بعض ایسے اہل کمال کو ایسی سزا دی ہے جو دوسروں کے لئے بھی تازیانۂ عبرت ہوئی ہے بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو تھوڑی معلومات اور محدود مطالعہ سے بہت بڑا کام لیتے ہیں اور اپنی عظمت کا نقش قائم کر دیتے ہیں۔ مولانا سید طلحہ صاحب اس گروہ میں تھے جو اپنے علمی ذوق و استفادہ کی حرص کی وجہ سے اچھے اچھے پڑھے لکھوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیتے تھے کہ وہ اس موضوع سے ناواقف اور اس کوچہ سے نابلد ہیں، اس کا نتیجہ تھا کہ ان کو علمی دنیا میں جو شہرت اور علمی حلقوں میں جو عزت و احترام حاصل ہونا چاہیے تھا وہ آخر تک حاصل ہو سکا اور بہت کم درجہ کے لوگ شہرت و ناموری کے بام عروج پر پہونچ گئے اس پر مستزاد ان کی بے تکلف اور سادہ زندگی تھی، لباس، طرز گفتگو، آداب مجلس وغیرہ کسی چیز میں ان کو تکلف و اہتمام گوارا نہیں تھا، نہایت آزاد و وارستہ مزاج تھے اپنی تمام

کو دوسروں کی تنقید یا عقیدت مندی پر مقدم رکھتے اور اس کا بہت کم خیال کرتے کہ دوسرے ان کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔

لاہور میں ان کا حلقۂ احباب بہت وسیع بھی تھا اور نہایت متنوع بھی، اس میں جہاں بڑی مقدس دینی شخصیتیں تھیں وہاں ادیب و شاعر، مصور و رند لاابالی بھی تھے۔ ان کے جہاں مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی صاحب امیر جماعت خدام الدین، مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی امیر جماعت اہل حدیث اور علماء میں سے مولانا داؤد غزنوی، مولانا کریم بخش صاحب (صدر شعبۂ عربی گورنمنٹ کالج) اور مولانا اصغر علی صاحب روحی (صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج) سے تعلقات تھے اور وہ سب حضرات ان کا لحاظ و احترام فرماتے تھے کچھ تو ان کے علم و فضل کی وجہ سے اور کچھ حضرت سید احمد شہیدؒ کی نسبت سے وہاں ان کے تعلقات انگریزی زبان، ریاضی، فلسفہ، تاریخ کے مسلم و غیر مسلم پروفیسروں اور اساتذۂ فن سے بھی تھے، ان کے احباب میں خواجہ سلیم (جو فلسفہ جدیدہ کے ایک اچھے فاضل اور بعد میں گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی کے پروفیسر ہوئے) اردو زبان کے مشہور محقق پروفیسر محمود خاں شیرانی، علامہ تاجور نجیب آبادی، میر اولاد حسین شاداں بلگرامی، ریاضی کے مشہور استاد خواجہ دل محمد، دیوان غالب مصور کے مرتب اور مشہور آرٹسٹ عبدالرحمن چغتائی، ریاضیات کے مشہور استاد پروفیسر عبدالحمید، اسلامیات پر مضامین لکھنے والے خواجہ عبدالوحید اور تعلیمی لائن کے ایک تجربہ کار استاد و پرنسپل مولانا ظفر اقبال، اردو کے مشہور ناشر و خادم اور دارالاشاعت پنجاب کے بانی میر سید ممتاز علی صاحب (والد سید امتیاز علی تاج مرحوم) سے ان کے یکساں تعلقات تھے اور ان سب حضرات کے یہاں ان کی آمد و رفت نشست و برخاست تھی، اس وقت لاہور میں مولانا احمد علی صاحب سے زیادہ کسی کا حلقۂ عقیدت و ارادت وسیع نہ تھا، مولانا کی زندگی کا خاص جوہر اشاعت قرآن اور حمایت سنت کے ساتھ زہد و تقویٰ تھا، وہ دعوت قبول کرنے اور ہر ایک کے یہاں کھانے پینے میں بہت محتاط تھے، نہایت صحیح الادراک اور قوی الکشف تھے، رمضان مبارک میں یہ احتیاط اور بڑھ جاتی اور عشرہ اخیرہ میں تو کسی کی دعوت قبول کرنے کا سوال ہی نہیں تھا، اس کلیہ میں اگر کوئی استثنا تھا تو صرف مولانا سید طلحہ صاحب کا، اکثر عشرہ اخیرہ میں ان کے مکان پر تشریف لاتے اور کھانا تناول فرماتے، نماز میں بھی کبھی خلاف معمول ان کو بڑھا دیتے اور ان کی اقتدا فرماتے، ہمیشہ شاہ صاحب اور سید صاحب کے لفظ سے خطاب کرتے، دیال سنگھ کالج کے بعض غیر مسلم پروفیسروں سے بھی ان کے دوستانہ تعلقات تھے اور ان سے خصوصی مضامین میں استفادہ کا سلسلہ جاری تھا، ایک صاحب سے جن کا نام مجھے یاد نہیں وہ فلکیات کے جدید تحقیقات و نظریات میں استفادہ کرتے رہتے تھے، ہمارے فاضل دوست و کرم فرما ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب (جو بعد میں پنجاب یونیورسٹی میں فن تعمیر و آثار قدیمہ کے پروفیسر ہوئے) ان کے بے تکلف دوست اور غالباً شاگرد بھی تھے، انھیں کی معیت میں جون سنہ ۱۹۲۹ء میں جب میں پہلی مرتبہ لاہور حاضر ہوا،

انھوں نے مجھے ڈاکٹر سر محمد اقبال کی خدمت میں بھیجا۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب علامہ اقبال کے خاص معتمد اور بعض موقعوں پر سکریٹری بھی رہ چکے تھے اس یادگار تاریخی سفر میں جو میری زندگی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے انھوں نے مجھے ہر طبقہ کے اہل کمال سے ملایا اس وقت میری عمر پندرہ یا سولہ سال کی تھی انھوں نے مجھے جہاں علامہ اقبال سے ملایا اور لاہور کی مشہور علمی و تعلیمی شخصیتوں سے میرا تعارف کرایا وہاں رستم زماں گاما پہلوان سے بھی ملایا، اسی سفر میں ابوالاثر حفیظ جالندھری کے ساتھ کشمیر اور کھانے میں شرکت کی اور میری فرمائش پر انھوں نے میری بعض پسندیدہ نظمیں سنائیں، اس وقت لاہور کے ادبی حلقوں میں "گل رعنا" کا جو چند سال پہلے شائع ہوئی تھی بہت چرچا تھا اکثر جگہ میرا تعارف مصنف "گل رعنا" کے فرزند کی حیثیت سے کیا جاتا تھا۔ اور کہیں ان الفاظ میں کہ یہ بچہ بے تکلف عربی لکھتا بولتا ہے، علامہ اقبال کے یہاں مجھے یہ کہہ کر پیش کیا گیا کہ یہ مصنف "گل رعنا" کے فرزند ہیں۔ اور انھوں نے آپ کی بعض نظموں کا عربی نثر میں ترجمہ کیا ہے[1] وہ نووارد عزیزوں کو مشاہیر سے ملانے اور تاریخی اور قابل دید مقامات کی سیر کرانے میں بڑے فیاض و فراخ دل اور دستی تھے ان کے لئے اکثر خود وقت نکالتے اور اپنی وسیع معلومات سے اس سیر و سیاحت میں چار چاند لگا دیتے، میں نے اس سفر میں انکی بدولت جو کچھ سیکھا اور دیکھا اس سے اپنی پوری زندگی میں فائدہ اٹھایا ان کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا کہ یہی وساطت مولانا احمد علی صاحب سے تعارف و تعلق کا ذریعہ بنے اور ان کی شفقت اور خصوصی توجہات کی سعادت حاصل ہوئی جس کا میری زندگی پر بہت گہرا اور دیرپا نقش ہے اور اسی بنا پر اگلے سال ان کے درس میں شرکت کے لئے خصوصی طور پر لاہور کا سفر اختیار کیا اور یہ تعلق یوماً فیوماً بڑھتا گیا۔

۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء میں انھیں کی معیت میں علامہ اقبال کی خدمت میں آخری بار حاضری ہوئی اور مسلسل ان سے کئی گھنٹے گفتگو اور استفادہ کا موقع ملا۔ اس یادگار صحبت کا تذکرہ میں نے تفصیل کے ساتھ اپنے ایک اردو مضمون "اقبال کی خدمت میں چند گھنٹے" میں کیا ہے جو پنجاب کے ایک غیر مشہور رسالہ میں اسی وقت شائع ہو گیا تھا اور بعد میں میری عربی کی کتاب "روائع اقبال" اور اس کے اردو ترجمے "نقوش اقبال" کے دیباچہ میں اس کی مختصر روداد آ گئی ہے اس تاریخی ملاقات میں ان کے حقیقی بھانجے برادر عزیز مولوی سید محمد ابراہیم حسنی بھی تھے۔ اس کے چند ہی مہینہ بعد ان کی وفات کا واقعہ پیش آیا اور اب وہ منظر بہت عبرت معلوم ہوتا ہے جب ڈاکٹر صاحب کے خادم خاص علی بخش ان کی نقاہت اور تکان کی وجہ سے ان سے بار بار آرام کرنے کا تقاضا کرتے تھے اور وہ ٹال دیتے تھے اور مسلسل گفتگو میں مصروف تھے۔

انھوں نے اگرچہ اپنی عمر کا وہ حصہ جو تاثر قبول کرنے کا

[1] اس وقت میں نے اقبال کی چاند کی نظم کا ترجمہ کیا تھا اور علامہ مرحوم نے اس کو ملاحظہ فرمایا۔

زمانہ ہوتا ہے لاہور رہے ستمبر میں گزارا جو دینی اور دنیاوی انتشار کا مرکز تھا اور بڑے آزاد خیال لوگوں کے ساتھ ان کی صحبتیں رہیں لیکن ان کے عقیدہ اور عمل میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ سختی سے اہل سنت کے عقائد اور اپنے خاندانی مسلک پر قائم تھے۔ نماز باجماعت کا ہمیشہ اہتمام رہا۔ دو چیزوں کا ان کو کبھی تحمل نہیں ہوا، ایک کسی کو بلا ارکان کا خیال کئے بغیر جلد جلد نماز پڑھتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس کے سلام پھیرنے کا انتظار کرتے رہتے۔ اور وہ خواہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو اس کو ضرور نصیحت کرتے۔ دوسرے ٹخنے سے نیچا پائجامہ نہیں دیکھ سکتے تھے بعض کبار علماء و مشائخ تک کو اس پر ٹوک دیا کبھی کبھی اس کے لئے وہ تنبیہ کے بڑے لطیف پیرائے اختیار کرتے مثلاً کسی معزز آدمی، رئیس یا فیشن ایبل نوجوان کو دیکھتے کہ اس کا پائجامہ ٹخنے سے بہت نیچے ہے اور زمین پر لوٹتا ہے تو اس سے کہتے کہ آپ کا بچتا پائجامہ ٹخنے کے نیچے ہے اور زمین پر لوٹ رہا ہے مجھ جیسے غریب آدمی کی ایک ٹوپی بن سکتی ہے۔ جس محفل یا دعوت میں ساز یا باجہ ہوتا اس میں شرکت نہ کرتے یا اٹھ کر چلے آتے۔ ایک مرتبہ مجھ سے یہ قصہ بیان کیا کہ کسی ولیمہ یا دعوت میں شریک تھا، وہاں باجہ شروع ہوا میں نے اعتراض کیا تو بند کر دیا گیا۔ پھر کسی صاحب ذوق " کی فرمائش پر شروع ہوا۔ میں نے پھر احتجاج کیا تو فرمائش کرنے والے صاحب جو ایک انگریزی تعلیم یافتہ آدمی تھے خود اٹھ کر میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ مولانا! اس میں کیا شرعی قباحت ہے؟ میں نے خیال کیا کہ یہ مجھ سے بحث کریں گے اور شاید دوسروں کی تلقین کی ہوئی بعض علمی دلیلیں دیں گے میں نے ان کو خاموش کرنے کے لئے کہا کہ مجھے ناپسند ہے یعنی اگر میری شرکت مطلوب ہے تو اسے بند کر دینا چاہئے اس پر وہ لاجواب ہو گئے "جدید خیالات" جمہوری نظریات اور مسلکوں میں ان کو اہل قرآن و منکرین حدیث سے بیزار [illegible] قوم کے [illegible] منصوصات و قطعیات کی پرواہ کئے بغیر تاویلات اور عقل پرستی سے بڑا بعد اور وحشت تھی اور اسماء و صفات کے بارے میں وہ سلف کے مسلک پر قائم تھے، قرآن شریف بہت پختہ اور رواں تھا۔ اور اس کے پڑھنے کا بہت ذوق رکھتے تھے۔ جب تک قوت رہی تراویح میں قرآن شریف ختم کرنے کا اہتمام کرتے تھے، [illegible] روانی سے پڑھتے تو سننے والوں کو [illegible] لطف آتا اور ایک کشش محسوس ہوتی۔

سنہ ۱۹۲۶ء میں اللہ تعالیٰ نے ان کو حج کی سعادت بھی نصیب فرمائی یہ سفر کئی حیثیتوں سے ایک یادگار سفر تھا اسی سال موسم حج میں سلطان ابن سعود کی دعوت پر مکہ معظمہ میں موتمر اسلامی کے اجلاس ہوئے جس میں شرکت کے لئے عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء، زعماء اور مشاہیر آئے۔ ہندوستان سے بھی خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماء کے نمائندوں کی حیثیت سے مولانا محمد علی، شوکت علی، مولانا ظفر علی خاں، مولانا سید سلیمان ندوی، مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ حضرات نے شرکت کی، مولانا سید طلحہ صاحب کے کئی بھائی، عزیز اور دوست اس سفر میں ان کے شریک و رفیق تھے۔ ان کے بڑے بھائی سید زبیر صاحب تو یہیں سے ساتھ گئے تھے سید عمر صاحب جمبئی سے مکہ معظمہ پہونچے اور شریک ہوئے ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب شیخ خلیل عرب اور مولانا محمد سورتی بھی ہندوستان سے آئے تھے، اور اسی سال حج و زیارت کی سعادت حاصل کی۔

لاہور کی فضا اور اورینٹل کالج کی وجہ سے ان کا انگریزی امتحانات سے بچنا بہت مشکل تھا۔ اعلیٰ مشرقی امتحانات دینے والوں کو یونیورسٹی نے یہ رعایت دے رکھی تھی کہ وہ صرف انگریزی میں امتحانات دے کر ایم، اے۔ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا سید طلحہ صاحب نے بھی یہ "ہفت خواں" سر کیا، ان کا وقت اور صلاحیت اس میں بہت صرف ہوئی، وہ بعد میں ہمیشہ اس پر پچھتاتے اور افسوس کرتے تھے۔ اکثر از راہ شفقت مجھے مبارکباد دیتے اور اظہار رشک کرتے کہ تم نے عربی زبان اور دینی علوم کو مضبوطی سے پکڑا اور "یک در گیر و محکم گیر" پر عمل کیا۔ درحقیقت اس توفیق میں بھی ان کا حصہ تھا۔ میں جب پہلی بار سنہ ۱۹۲۹ء میں لاہور حاضر ہوا تو انھوں نے مجھے اپنے کالج کے وائس پرنسپل اور مشہور فاضل و محقق مستشرقیات و اسلامیات مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے کنٹسپ (جو تقسیم کے بعد انسائیکلو پیڈیا آف اسلام اردو کے نگراں و مہتمم مقرر ہوئے) سے ملایا اور میرے بعض عربی مضامین دکھا کر ان سے میرے مستقبل کے متعلق مشورہ لیا کہ مجھے کون سی لائن اختیار کرنی چاہئے، اس زمانہ میں بہت سے لوگ جو میری باتیں سن کر میری صلاحیت کے متعلق غلط اور خلاف واقعہ رائے قائم کر لیتے تھے، مجھے آئی، سی، ایس، وغیرہ کی لائن اختیار کرنے کا مشورہ دیتے تھے خدا مولوی صاحب مرحوم کو جنت نصیب کرے کہ انہوں نے بہت جزم و وثوق کے ساتھ مشورہ دیا کہ میں صرف عربی زبان اور اس کے متعلقات ہی میں کمال پیدا کرلوں اور اسلامیات پر کام کرنے کے لئے کسی ایک مغربی زبان میں بھی جس میں فرنچ کو ترجیح ہے، کچھ استعداد پیدا کرلوں برسوں کے بعد آں سے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے دفتر میں ملاقات ہوئی تو میں نے ان کے اس صائب مشورہ کا ذکر کیا اور اپنے تشکر اور امتنان کا اظہار کیا، بہرحال مولانا سید طلحہ صاحب نے انگریزی کی طرف توجہ کی اور امتحانات کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کا قاعدہ تھا کہ جس چیز کی طرف توجہ کرتے وہ ان پر پورے طور پر طاری ہو جاتی اور وہ اس میں ڈوب جاتے۔ ہر وقت اس کا مطالعہ، ہر وقت اس کا تذکرہ، اس کے ماہر اساتذہ سے استفادہ و مشورہ چنانچہ جب لاہور رہتے وہ اپنے مضامین، ایف، سی، کالج اور گورنمنٹ کالج کے انگریز پروفیسروں کو دکھاتے غالباً سنہ [illegible] تھا کہ انھوں نے بی، اے کی تیاری کے لئے طویل چھٹی لی اور کئی مہینہ لکھنؤ میں قیام کیا، اس زمانہ میں انھوں نے پروفیسر سدھانت سے اصلاح لینی شروع کی جو انگریزی کے مسلم الثبوت ادیب، لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی کے صدر رہے۔ اور بعد میں دہلی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہو گئے ان سے تعارف غالباً ان کے دوست و میرے استاد شیخ خلیل عرب صاحب نے کرایا تھا جو اس وقت لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے استاد تھے۔

مولانا سید طلحہ صاحب کا حافظہ غیر معمولی طور پر قوی تھا، اس کے لئے کسی زبان و نظم کی قید نہ تھی اس کا نتیجہ تھا کہ شیکسپیر کے ڈراموں کے بند کے بند اور گولڈ اسمتھ وغیرہ کی عبارتیں کی عبارتیں ان کو یاد تھیں۔ انگریزی ادب و تاریخ کی مشہور کتاب جولیس سیزر انھوں نے بڑے انہماک و شغف سے پڑھی تھی۔ اس کے جملے بعض مرتبہ بہت جھوم جھوم کر سناتے، مگر انگریزی میں انھوں نے جو محنت کی تھی اور جو ان کے علم و مشاغل سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی تھی، ان کے کچھ زیادہ کام نہ آئی۔ اور معاشی مسئلہ اور عہدہ کی ترقی میں تو اس نے کچھ بھی مدد نہ کی ان کا ذوق آخر تک عربی و علوم دینیہ ہی سے وابستہ رہا اور بقول ان کے وہ اسی علم کی روٹی کھاتے رہے یہاں تک کہ سنہ ۱۳۶۱ھ سنہ ۱۹۴۲ء میں وہ اپنی خواہش سے اورینٹل کالج سے سبکدوش ہو گئے اور ان ڈگریوں سے جو کچھ فائدہ کی توقع تھی وہ بھی جاتی رہی۔

(باقی آئندہ)

بقیہ رمضان کا پیغام

میں زندگی کی نئی لہر اس طرح دوڑ جائیگی کہ
ع شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم

میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اسی مہینہ میں ایک ایسی بھی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے پوری رات رحمت کے فرشتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ تانتا بندھا رہتا ہے دیکھئے وہ ضائع نہ ہونے پائے۔ اس مہینے کے آخری دنوں میں رحمت خداوندی اور زیادہ متوجہ ہو جاتی ہے۔ اسی لئے ان دنوں میں تو اللہ کے نبی مسجد ہی میں معتکف ہو جاتے تھے اللہ میاں کی چوکھٹ پر پڑ جاتے تھے۔ رمضان کے بعد عید ہے دیکھئے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ضرورت سے زیادہ عید کے اہتمام میں لگ جائیں اور یہ آخری عشرہ ضائع ہو جائے اور آپ بہت کچھ کھو بیٹھیں یہ ہے میرا پیام جس کو میں نے بہت مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ اب اپنی ان کوتاہیوں کو پھر سے دیکھ لیں جنکو میں نے گنایا تھا اور میرے اس پیام پر غور فرمالیں، شاید آپ کو یہ یقین کرنے میں دیر نہ لگے گی کہ جو پیام میں نے آپ کو دیا ہے اسی میں آپ کے سارے امراض کا علاج موجود ہے۔

اب میں ان آخری الفاظ کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ

زندگی ایک ہے اور ناپائدار ہے اس کو بہت ہی سوچ سمجھ کر استعمال کیجئے کہیں ضائع نہ ہو جائے

روشنی کے مینار

شاہ ولی اللہ دہلوی رح ایک ولی کامل کی حیثیت سے

تحریر: سعید الاعظمی ندوی
ترجمہ: سید عبد الرشید

اُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ + لَعَلَّ اللهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا

بارہویں صدی عیسوی میں سرزمین ہند ایک ایسی عظیم الشان علمی شخصیت سے روشناس ہوئی جس کی مثال تاریخ ہند میں ملنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے یہی شخص آگے چل کر اہل علم و دین کا شہنشاہ، اسلامی قیادتوں کا سربراہ اور تصوف وسلوک کا رہبر اعظم بنا۔ یہ شخص اسلامی تصوف وسلوک اور روحانیت کا وہ ضیاء بار ستارہ ہے جس کی روشن کرنوں سے بے شمار لوگ قیامت تک مستفید ہوتے رہیں گے اور صحیح راستہ کی طرف ہدایت پاتے رہیں گے ـــ آخر اس تابندہ ستارے کی اوٹ میں کس کی شخصیت جلوہ گر ہے؟ یہ عظیم الشان شخصیت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جنھوں نے صالح علوم و افکار کی نشر و اشاعت میں ضلالت و گمراہی کے پر پیچ راہوں [illegible] سچے اور سیدھے راستہ کی نشاندہی کرنے میں خاصی شہرت حاصل کی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے صحیح معنوں میں لوگوں کے تیرہ و تاریک دلوں میں ایمان کی مشعل روشن کی جس سے لوگوں کے دلوں میں ایک انقلاب برپا ہو گیا اور روح میں ایک تڑپ پیدا ہو گئی۔ آپ نے امت اسلامیہ کے سامنے ایک نہایت ہی حسین اور خوبصورت خاکہ پیش کیا جس پر آگے چل کر ایک بہترین عمارت کی بنیاد رکھی گئی اور پھر یہی عمارت بہترین اسلامی معاشرہ و سوسائٹی قائم کرنے کا سبب بنی اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کا عہد ایک ایسے زمانہ کی ابتداء ہے جس میں لوگ ایک ایسی زندگی و سوسائٹی سے متعارف ہوئے جو ایک کامل مسلمان بننے کے لئے بہترین نمونہ اور اسوہ پیش کرتی ہے۔

جس زمانہ میں آپ اس جہان فانی میں تشریف لائے اس وقت ہندوستان کے مسلمان بہت ہی نازک اور پر آشوب دور سے گذر رہے تھے مسلم بادشاہوں کی تمام تر توجہ کا مرکز رعایا کا اطمینان و سکون چھین کر اپنے عیش و آرام میں مزید اضافہ کرنا تھا۔ پورا ملک مختلف قسم کی روحانی و اخلاقی امراض میں مبتلا تھا۔ عوام نفسانی خواہشات کے غلام، مال و دولت کے پجاری، ظلم و ستم کے عادی تھے، دوسروں کی حق تلفی ان کا شیوہ اور قتل و غارت گری ان کا محبوب مشغلہ تھا ـــــ لیکن اس مبارک و عظیم شخصیت کی بدولت تمام اخلاقی و روحانی امراض ختم ہو گئے ظلم و ستم کے مہیب بادل چھٹ گئے شر اور فساد کا قلع قمع ہو گیا اور خیر و بھلائی کی روشنی ہر طرف پھیل گئی۔ امت اسلامیہ کے حسین چہرے سے برائیوں کی تاریک و سیاہ نقاب الٹ گئی۔

اس مضمون میں شیخ ولی اللہ کی حیات مبارکہ سے کوئی تعرض نہ کروں گا کیونکہ وہ اصل چیز جس نے مجھے آپ پر مضمون لکھنے کی ترغیب دی ہے وہ ایک ایسی چیز ہے جو ایک خاص اہمیت کی حامل ہے اور وہ روحانیت، معرفت تصوف و سلوک ہے۔ آپ کی زندگی کا یہی ایک ایسا گوشہ ہے جس نے آپ کو صاحب بصیرت بنایا، نظر میں وسعت و تعمق پیدا کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسی تصوف وسلوک نے آپ کو عزت و شہرت کے اعلیٰ و ارفع مدارج تک پہنچا کر ان تمام علوم کا آپ کو ہندوستان بھر میں امام اعظم بنا دیا۔

شیخ رحمۃ اللہ کا شمار ایسے عارفوں میں نہیں ہے جنھوں نے عزلت و تجرد اختیار کر لیا ہو اور محض عابد بن کر کسی گوشہ میں بیٹھ رہے ہوں بلکہ آپ کا شمار ان عارفوں میں ہے جنھوں نے معرفت و سلوک کے متلاطم سمندروں میں غوطہ زنی کی ہے اور ایسی بیش قیمت اور نایاب چیزیں ڈھونڈھ کر لائے جس سے وہ اپنے عشق و محبت میں سرشاروں کا علاج کر سکیں اور لوگوں کو اس کے حقائق و نکات سے آگاہ کر سکیں جس سے اکثر لوگ ناواقف تھے اور جب ان لوگوں کے سامنے اس کی تشریح و وضاحت پیش کی گئی تو دنیا حیرت زدہ ہو کر رہ گئی آپ نے روحانی پہلو کی وضاحت میں اسرار و رموز کے وہ دریا بہا دئیے جو اب تک بہت سے لوگوں سے مخفی تھے اور اپنے پیچھے ایک بیش بہا خزانہ امت مسلمہ کے سپرد کر دئیے گئے جو قدیم ہونے کے باوجود آج بھی بالکل نیا ہے۔ اور آج بھی تشنگان علم اس سے سیرابی حاصل کرتے ہیں۔

شیخ غلام علی علوی اپنی کتاب "المقامات" میں یوں تحریر فرماتے ہیں "شیخ مرزا جانجاناں دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ ولی اللہ نے ایک نئے راستہ کا سراغ لگایا اور اس کی مکمل وضاحت اور تحقیق و تفتیش میں ایک خاص اور اچھوتا طرز اسلوب اپنایا۔ ایک نئی طرز نگارش اختیار کی۔ وہ ایک عالم ربانی ہیں جن کی مثال صوفیائے محققین میں ملنا مشکل ہے کیونکہ آپ یکتائے علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ علوم جدیدہ میں آپ کے علاوہ سوائے چند اشخاص کے کسی نے بھی بحث نہیں کی ہے۔" آگے چل کر پھر تحریر فرماتے ہیں "اصلاح ظاہر و باطنی طور پر زہد و خلوت نشینی کا کبھی بھی محتاج نہیں رہا ہے اور یہ عمل اس بات کا مقتضی ہے کہ انسان ظاہری و باطنی طور پر زہد اور خلوت نشینی اختیار کرے عادۃً شخص کا کام تو یہ ہے کہ وہ مختلف قسم کی خرابیوں کی اصلاح کرے معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کی بیخ کنی کرے اوہام و خرافات اور غلط عقائد کی دھجیاں اڑادے اور یہ تمام کام ایسی خوش اسلوبی سے انجام دے کہ لوگ اسے محسوس بھی نہ کر سکیں اور اگر کچھ سمجھیں بھی تو اسے کوئی اہمیت نہ دیں ــــــ اور یہی تمام خصوصیات شیخ ولی اللہ دہلوی میں موجود تھیں کیونکہ وہ بھی اسی طرح سے کسی گوشہ تنہائی میں نہیں بیٹھے بلکہ میدان کارزار میں اس طرح قدم رکھا کہ بہت کم صوفیا اس طرح میدان میں اترے ہوں گے۔ اصلاح قلب اور تزکیہ نفس کا کام آپ نے اس انداز سے انجام دیا کہ اس طرح کام کرنے کی توفیق بہت ہی کم لوگوں کو ملی ہوگی۔ پھر اسی نظریہ کے پیش نظر آپ نے اسی موضوع پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ جو بہترین اور قیمتی مواد کی حامل اور بہت سے حقائق و نکات سے بھرپور ہیں اور قاری کی عقلوں کو جلا بخشنے والی جذبہ قناعت و وجدان کو اچھی غذا مہیا کرنے والی ہیں۔

شیخ ولی اللہ صرف ایک دینی لیڈر یا مذہبی شخص نہیں تھے جن کا کام صرف لوگوں کو سیاسی چالوں سے متنبہ کرنا، دلوں میں ایمانی حرارت اور جوش پیدا کرنا تھا بلکہ آپ ایک ہی وقت میں علوم معرفت، دین و ادب اور مختلف علوم کے ماہر تھے۔ آپ ہر اس چیز پر تنقید کرتے تھے جسے اسلامی روح کا مخالف سمجھتے تھے اور ہر اس شخص پر تنقید [illegible] نشتر چلاتے تھے جو دینی شخص کو مجروح کرتا تھا اور اس کی حقانیت و برتری کا انکار کرتا تھا اس معاملہ میں آپ کسی کی رعایت نہ برتتے تھے خواہ وہ شخص ایک عامی اور جاہل شخص ہو یا طبقۂ علماء سے تعلق رکھتا ہو۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے اپنے زمانہ کے علماء و صوفیا کو چیلنج کیا جو علوم تصوف وسلوک کے الف بے سے بھی واقف نہ تھے۔ سب سے پہلے آپ نے تصوف حقیقی و تصوف مجازی کا فرق سمجھایا تصوف حقیقی یہ ہے کہ بندہ ہر وقت یہ خیال کرے کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے اور خدا اس کو دیکھ رہا ہے اور تصوف مجازی تو محض جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے کا نام ہے۔ یہ فرق بتانے کے بعد آپ نے ان کو اس پر مجبور کیا کہ تصوف میں جو غلط طریقے اور رواج اختیار کر لئے گئے ہیں ان کی اصلاح و درستگی کریں۔ اور آپ کا یہ اصلاحی قدم اور دینی جرأت واقعی قابل داد تھی۔

ماہ رمضان کا پیغام امت مسلمہ کے نام

شمس الحق ندوی

یوں تو ہر مہینہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور کوئی نہ کوئی پیام لاتا ہوں، میری ہر آمد قرب قیامت اور ناپائداری عالم کا اعلان ہوتی ہے جس کتنوں کے عروج کو زوال سے کو مرض اور حیات کو موت سے بدل دیا ہے مگر میری آج کی آمد ایک خاص پیام اور آپ کی پریشان نظری کے علاج کی غرض سے ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ میں آپ کی آنکھوں میں جذب و شوق کی ایسی کیفیت محسوس کر رہا ہوں جو پچھلی ملاقاتوں میں میں نے نہیں دیکھی۔ آپ مجھے کچھ حیران و پریشان سے نظر آ رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ کو اپنا بہت کچھ کھو دینے کا احساس ہوا، دوسری طرف آپ کی مشتاق و فریادی نگاہیں پتہ دے رہی ہیں کہ اب آپ تجدید عہد وفا کرنے چلے ہیں اور مجھ سے کچھ واضح مشوروں کے طالب ہیں۔

میرا پیام کچھ ڈھکا چھپا نہیں ہے، میں تو بارہا آپ کے تن مردہ میں جان ڈالی ہے اور آپ کی مدد کی ہے آپ کے اسلاف نے ایسے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے ہیں کہ آج کی مادہ پرست دنیا اس کو سمجھنے سے قاصر ہے، آپ نے بھی اگر عزم و حوصلے سے کام لیا اور گوش دل سے میری بات سنی تو میں آپ کو شوق و مستی اور سوز دروں کی دولت سے نہال و مالا مال کر دوں گا اور آپ کی بہت سی الجھنیں خود بخود دور ہو جائیں گی۔ بڑے بڑے مسائل حل ہو جائیں گے، زندگی کی الجھی ہوئی ڈور سلجھ جائے گی، زندگی جو بار دوش بنتی جا رہی ہے۔ کرب و بے چینی درد و کلفت، بغض و حسد، رنج و غم اور مایوسی و نا امیدی کا مرکز بن چکی ہے وہ سکون آشنا۔ فرحت و مسرت۔ محبت و الفت اخوت و بھائی چارگی۔ ایثار و قربانی ـــ اور خزانہ بلند ہمتی جوش و ولولہ و قوت عمل کا ایک گرانمایہ انمول ہیرا بن جائے گی جس کے سودے بازی اس کارگاہ ہستی اور عالم رنگ و بو میں کوئی قوم یا کوئی مادی طاقت اور کوئی دلفریب و دیدہ زیب تہذیب و تمدن نہ کر سکے گا، اور آپ کا یہ داغ دھل جائے گا، جس کی وجہ سے آج آپ دنیا کی برادری میں سرنگوں اور شرمسار ہیں۔

میں آپ کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی طرف بھی اشارہ کروں گا، مگر جب آپ تجدید عہد وفا کرنے چلے ہیں تو اسے بھی کھلے دل اور شرح صدر کے ساتھ سنیں اس لئے کہ اس کے بغیر چارہ کار نہیں۔ آپ کا دامن آج اصل سرمایہ سے خالی ہو چکا ہے۔ آپ حلم و تدبر کی صلاحیت کھو چکے ہیں ضعف اعصاب، جھنجھلاہٹ اور چڑچڑا پن آپ کا مزاج بن چکا ہے معمولی سی معمولی بات جو آپ کے مزاج کے خلاف ہو آپ اسے برداشت نہیں کر سکتے، اس کی خاطر بڑے سے بڑے قومی مفاد کو نظر انداز کر جانا آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔ ہوا و ہوس آپ کے رگ و پے میں سرایت کر چکی ہے۔ آپ کی اس مزاجی کیفیت نے گھر اور کنبہ سے لے کر علمی و سیاسی میدان غرض زندگی کے ہر شعبہ میں انتشار پیدا کر رکھا ہے، طرفہ تماشا یہ ہے کہ آپ اپنے ضمیر کو اس پر مطمئن رکھتے ہیں کہ جو وہ کر رہا ہے۔ وہی صحیح ہے۔ یہ بڑے خطرے کی علامت ہے، آپ پھر سے اپنے افکار و خیالات پر نظر ثانی کریں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ اس کے لئے نفس کو بہت دبانا اور سدھانا پڑے گا۔ بہت کچھ کھونا اور پاپڑ بیلنا ہوگا۔ جب کہیں زندگی کی وہ چول بیٹھے گی جو اپنی جگہ سے کھسک چکی ہے میں اسی کی مشق و تربیت کا پیام لے کر حاضر ہوا ہوں۔ اس سے پہلے بھی آپ کو ہوشیار کرتا ہوں کہ جب آپ اس کا فیصلہ کریں گے تو تاویلات کی دیواریں کھڑی ہو جائیں گی کیونکہ ع

ہر سینہ میں چھپ چھپ کر بنا لیتی ہے تصویریں

خوبیاں سب ہم میں عیب سب دوسروں میں یہ وہ مہلک روگ ہے جس نے آپ کی قوت عمل کو مفلوج اور قبائے اتفاق و اتحاد کو تار تار کر رکھا ہے۔ آپ ذرا غفلت کے پردوں کو ہٹائیے خمار آلود آنکھوں کو ہوش و خرد کی چھینٹیں دیکر غنودگی کو دور کیجئے اور دیکھئے۔ آپ کے سامنے ہزاروں نئے مسائل کھڑے ہیں اور راہ میں بے شمار رکاوٹیں اور چٹانیں حائل ہو چکی ہیں آپ کے خلاف مکر و فریب اور سازشوں کے ان گنت جال بچھائے جا چکے ہیں، اور دشمن نے یہ سب اس ہوشیاری و دور بینی سے کیا ہے کہ آپ اس کی مہربانیوں اور ہر حربہ کو اپنے موافق سمجھ رہے ہیں آپ اس کی سحر انگیزیوں پر سر نیاز دراس حد تک فدا ہیں کہ سب کچھ لٹا کر آپ نے اپنے کو اس کی گود میں ڈال دیا ہے اس نے طفل شیر خوار کی طرح آپ کو تہذیب و تمدن نیتی نئی زہریلی چمکیوں اور کانفرنسوں کے کھلونے دے کر بہلا پھسلا رکھا ہے۔ اور اپنا اثر و رسوخ برابر بڑھاتا جا رہا ہے بعض موقعوں پر تو ہم نے آپ کے دشمن کو اس طرح آپکی سرپرستی کرتے دیکھا جیسے کسی یتیم و لاوارث بچہ کی کی جاتی ہے اور اگر آپ اجازت دیں تو میں کہوں کہ انوار الساوات کی صدر نشینی اسی کا مظہر ہے، آج مجھے اس لئے کہ یادہ آپ نے اپنے یہ دن، ہر اہانہ آپ کو ہوش نہیں کہ دشمن نے آپکی اصل روح کو سلب کرنے کیلئے اپنی پوری علمی و فکری صلاحیت صرف کر دی ہے اس نے رنگا رنگ مادی ترقیات کی دجالی جنت دکھا کر آپ کے ایمان و یقین۔ نفس اسلام اور رسالت میں شکوک و شبہات پیدا کرنے میں اپنی پوری توانائی صرف کر دی ہے اور آپ نہایت سادہ دلی اور بھولے پن کے ساتھ کشاں کشاں ادھر ہی کو چلے جا رہے ہیں۔ کبھی تاویل و حیلہ بازی سے کام لے کر کبھی جدید تغیرات و ضروریات کو وجہ جواز قرار دے کر آپ میراث ابراہیمی سے نظر بچاتے ہوئے مغرب کے تازہ خداؤں سے رشتہ جوڑ رہے ہیں، آپ اپنا احساس کھو چکے ہوتے تو میرا ابراہیمی کے شکوہ و ملال کے یہ الفاظ سنتے جو فضا میں عرصہ سے گونج رہے ہیں ـــ

ع عدو سے ملنے کی خواہش اور کچھ میرا بھی خیال
چلے ادھر ہی کو لیکن مثل ہبل کے چلے

اسلامی حقائق و عقائد کے بارے میں آپکے شکوک و شبہات لیت و لعل زبان حال سے صاف صاف یہ اعلان کر رہے ہیں کہ

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

آپ کے ہاتھ اپنے ہی خون سے رنگین ہیں۔ قصر اسلام کی ایک ایک اینٹ آپ خود اکھاڑ رہے ہیں۔ اپنا سارا اثاثہ لٹا کر غیروں کے در پہ کاسہ گدائی آپ ہی لئے کھڑے ہیں۔ آخر بے حیائی و بے غیرتی کی بھی تو کوئی حد ہونی چاہیئے، کل جن کو آپ نے بہت کچھ دیا تھا آج اپنا سب کچھ کھو کر انھیں سے مانگنا کیسا روح فرسا حسرتناک اور دلسوز منظر ہے۔ ڈوب مرنے کی بات یہ ہے کہ جن کا مقصد حیات نائو نوش، خرمن و مروت، اور عیش کوشی کے سوا کچھ نہیں وہ اپنے قومی معاملات میں کتنے متحد، ایثار و قربانی میں کتنے آگے ہیں اور آپ جن کا مقصد احتساب کائنات جہانبانی و جہاں داری ہے، جنکا مقصد حیات آگ کے شعلوں کو گل و گلزار بنانا ہے۔ ظلمت کدۂ عالم میں رشد و ہدایت کی شمعیں جلانا ہے۔ کتنے منتشر اور باہم دست و گریباں ہیں اگر کبھی کسی نقطہ پر متحد بھی ہوتے ہیں۔ تو بہت جلد اتحاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، اس کی ایک ایک کڑی الگ ہو جاتی ہے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ آپ اندر کی کھوئی ہوئی چیز کو باہر ڈھونڈ رہے ہیں۔ جلسہ جلوس، احتجاجوں اور کانفرنسوں میں ڈھونڈ رہے ہیں آپ یاد رکھیں کہ کفر کے ہزار گناہ معاف، اس لئے کہ اس کی ایک ہی اور آخری ابدی سزا ہے۔ اور ایمان کی ادنیٰ لغزش بھی قابل گرفت ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء توتی اکلہا کل حین باذن ربہا کا مژدہ ہے۔ کفر سراپا ظلمت و تاریکی۔ ایمان نور مجسم،

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب آپ نے میرے پیام کو غور سے سنا تھا اس کے سامنے ... سر تسلیم خم کیا تھا تو مور و ملخ کی طرح۔ افق عالم پر چھا گئے تھے) اور آپ سے کوئی آنکھ نہیں ملا سکتا تھا۔ میں نے آپ کے خرقہ پوشوں کو قیصر و کسریٰ کا تاج چھینتے دیکھا ہے آپ کے شہسواروں کو سطح سمندر پر بے تکلف چلتے ہوئے دیکھا ہے، ان کے یہ الفاظ۔ بیشک یہ دین کو ... دینی و دنیوی حیات و اثرات کا حامل ہے سمندر روک سکے یا ہوگا یہ سمندر کا نہیں، آپ بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں، میری آنکھوں نے یہ منظر بھی دیکھا ہے کہ آپ کی آواز پر جنگل کے درندوں نے اسطرح راستہ خالی کیا ہے کہ اپنے بچوں کو منھ میں لے کر بھاگے ہیں۔ جیسے میں اب بھی ساحل اندلس پہ طارق کی جلتی ہوئی کشتیوں کا دھواں دیکھ رہا ہوں اور میرے کانوں میں ایمان و یقین عزم و حوصلے سے بھرپور طارق کے یہ الفاظ گونج رہے ہیں لوگو! دشمن تمھارے پیچھے ہے سمندر سامنے ہے بھاگنے کی گنجائش کہاں اب اسکے سوا چارہ کار نہیں کہ مردانہ وار بڑھو اور دشمن کی کلائی موڑ دو، میں آپ کے کمسن سپہ سالار محمد بن قاسم ثقفی کے گھوڑوں کی ٹاپ ساحل ہند پر سن رہا ہوں، سپہ سالار ایران کے نام حضرت سعد ابن ابی وقاص کے خط کے یہ الفاظ ابھی تک آپ کی تاریخ کا سنہرہ باب بنے ہوئے ہیں، "ہم خود نہیں آئے ہیں بلکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے کہ ہم اس کے بندوں کو بادشاہوں کے ظلم و ستم اور جہالت کی تاریکیوں سے نکالیں اور ایمان کے نور اور اسلام کے عدل کی طرف لائیں اور ہم ضرور ایسا کریں گے"۔ میں آپ کے صلاح الدین ایوبی کو بیت المقدس پر فتح و کامرانی کا جھنڈا لہراتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

جب آپ نے ہمارے پیام کی ناقدری کی تو ہم نے آپ کو اس حال میں دیکھا اور جب آپ نے اس کی ناقدری کی، بے رخی برتی آپ کے اندر عیش و تنعم، خود غرضی و نفس پرستی کا غلبہ ہوا تو اخلاقی زوال و انحطاط نے ممالک اسلامیہ کی ایک ایک کڑی کو الگ کر کے آپ کو بزدل و پست ہمتی کے اس آخری درجہ پر پہونچایا ہے کہ ایک غیر متمدن اور وحشی قوم کے اوباشوں نے آپ کے علماء، امراء اور حکام کی لاشوں پر دستر خوان سجاکر داد عیش دی ہے، ہم نے آپ کے جلتے ہوئے کتب خانوں کی راکھ سے ایک مرتبہ سمندر کے پانی کو کالا ہوتے دیکھا ہے دوبارہ آپ کے خون سے اسطرح لال و سرخ ہوتے دیکھا ہے کہ عرصہ تک فضا متعفن رہی۔ آپ کی بزدلی کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ دشمن قوم کا ایک فرد آپ کے ایک بھائی کو پکڑتا اور کہتا کہ میں تمھیں ذبح کروں گا یہیں ٹھہرو چھری لے کر آتا ہوں، کیا کیا سناؤں ع

بسے نادیدنی را دیدہ ام من۔

کیا آپ کو یاد نہیں کہ قرطبہ و اندلس، سسلی اور ریونان بخارا اور ترکستان آپکا آشیانہ کس طرح اجڑا ہے۔

سچ مجھے یاد ہے وہ ذرا ذرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

آپ کی موجودہ حالت اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے اس لئے اگر آئی ہوئی بہار سے آپ پھر فائدہ اٹھالیں تو آپ کے حق میں بڑا اچھا ہوگا۔ معاف فرمائیں میں نے بہت دیر تک آپ کو شرمندہ کیا۔ اب میں پھر سے (دنیا) پیام دہرا رہا ہوں آپ اس کے آگے۔ ایک جز کو دانتوں سے پکڑ لیں عملی مشق کے لئے کمربستہ ہو جائیں جیسا کہ میں نے وضاحت سے عرض کیا ابھی میں آپ کے در پہ کھڑا ہوں ہے۔

غور فرمائیے پیشانی فکر پر جھک کر میں نے آپ کے کئے زبردست عالمگیر قومی اتحاد کا اعلان کیا ہے۔ شہر ہو کہ گاؤں، سمندروں کے پار۔ پہاڑوں کی اوٹ۔ مشرق سے لے کر مغرب تک جہاں کہیں بھی اسلامی برادری آباد ہے۔ اب سب کے سب کھانے پینے سے ہاتھ روک لیں گے، طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک چاہے کتنے ہی لذیذ کھانے موجود ہوں کوئی ادھر ہاتھ نہ بڑھائے گا۔ کتنی ہی پاکیزہ اور حلال کمائی ہو اس کا کھانا حرام ہے شاہ ہو کہ گدا۔ امیر ہو کہ غریب۔ آقا ہو کہ غلام، سب ایک ہی حال میں ہوں گے سب بھوکے سب پیاسے۔ سب کی زبانوں پہ تالے۔ نہ غیبت کر سکتے ہیں نہ جھوٹ بول سکتے ہیں۔ ہاتھ بند ہیں ہوئے نہ دغا نے کے باوجود نہ چوری کر سکتے ہیں نہ حرام کو ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ سب ایک ہی اذان سے افطار کریں۔ ایک ہی اعلان صبح صادق سے پھر پابند ہو جائیں گے۔ دن کو بھوکے پیاسے، رات کو اپنے رب کے سامنے ہاتھ باندھے تراویح میں کلام پاک کا دور کر رہے ہوں گے تقدیم ہوگی نہ تاخیر۔ اسی کیفیت کے پورے مہینہ سب کی زبانوں پر ذکر و تلاوت، تسبیح و استغفار کے زمزمے جاری ہوں گے

اب وعدہ کیجئے کہ آپ اس موسم بہار کو جو عبادت و ریاضت، اصلاح باطن، تزکیہ نفس سوز و ساز اور ناز و نیاز کے لئے خاص ہے۔ محض افطار و سحر کے اہتمام میں، دعوتوں اور روزہ کشائی کے جشنوں میں ضائع نہ کر دیں گے۔ اور اپنے غریب و نادار بھائیوں۔ یتیموں۔ اور بیواؤں کا بھی خیال رکھیں گے ان کو چھپ چھپا کر خوب دیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ تو اتنا کھائیں کہ تراویح میں کھڑا ہونا دشوار ہو۔ اور آپ کے بھائی بھوک کی بھٹی میں جل رہے ہوں ان کا افطار و سحر پانی سے ہوتا ہو۔ آپ کے نبی نے فرمایا ہے کہ جس نے کسی روزے دار کو افطار کرایا کھانا کھلایا اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ روزہ رکھنے والے کو۔ تو دیکھئے آپ ایسا نہ کیجئے گا کہ اس ثواب کو حاصل کرنے کے لئے صرف کھاتے پیتے اور اپنے ہی معیار کے لوگوں کی دعوت کریں۔ نہیں، ناداروں کو مقدم رکھیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ جب یہ مہینہ آتا تھا تو آپ کے نبی عام دنوں سے کہیں زیادہ خرچ کرتے تھے دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف سے لٹاتے تھے۔ روزے کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ آپ کو غریبوں اور فاقہ مستوں کی بھوک اور جلن کا بھی احساس ہو، ضرورت مندوں کی ضرورت کا خیال آئے۔ روزہ کا اصل منشا یہ ہے کہ تزکیہ نفس۔ پاکیزگیٔ اخلاق و خواہشات نفس پر قابو پانے، گناہ و برائی سے اجتناب کی صلاحیتیں اجاگر ہو جائیں۔ فتنہ و فساد ظلم و تعدی کی۔ بغض و حسد کی آگ بجھ جائے اور قلب مومن میں ایک ایسی مومنانہ صلاحیت پیدا ہو جائے جس میں عناد و سرکشی۔ سنگدلی و قساوت قلبی کا گذر نہ ہو، فرض شناسی، احساس ذمہ داری۔ وفائے عہد۔ امانت و صداقت کا جلوہ آرائی ہو حقیقت اسی حقیقت ہو۔ نفاق و ملمع سازی کا گرد و غبار دھل چکا ہو صاحب حق کو اس کا حق ملے۔ مظلوم ظالم سے مامون اور اس کی عزت و ناموس محفوظ ہو۔ غرباء و مساکین۔ مجبور و نادار لاوارث و بے سہارا، اندر رہنے پائیں۔ فرائض منصبی کی ادائیگی کا جذبہ۔ دینی و ملی مسائل اور قومی ضروریات و تقاضوں سے غافل و بے خبر نہ ہونے دے۔ نیا خون، نئی روح، نیا جوش عمل پیدا ہو۔

یہ ہیں سارے اسلامی احکامات و عبادات کے ہر مسلم کا پیام لایا ہوں جو مہینے بھر جوش رہے گی اور زندگی بھر اس کو برتنے کا مطالبہ ہوگا اور شاید اس مہینہ کے ہر عمل پر۔ بے تحاشہ اجر و ثواب فضیلت و مقبولیت کے وعدہ کا یہی راز ہے کہ آپ لپک لپک کر اس کی طرف بڑھیں اور قلب و روح۔ ظاہر و باطن کو مزکیٰ و مصفیٰ کر کے نبی کے اسوۂ حسنہ کی ایک ایک ادا اپنے اندر پیدا کریں کہ یہی آپ کا مقصد تخلیق اور آقا و غلام کے رشتہ کی کڑی ہے۔ میں نے دیکھا ہے میرا مشاہدہ ہے کہ جب میں اس مہینہ کی آمد کا اعلان کرتا تو اللہ کے نبی عبادت و ریاضت کے لئے کمر بستہ ہو جاتے۔ رات رات نمازوں اور دعاؤں۔ ابتہال و تضرع گریہ و بکا میں گزار دیتے آپ کا نیم نازہ شب گیر مرشیوں تک پر رقت طاری کر دیتا۔ آپ ہی کو فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے کہ روزے دار کے منھ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک و عنبر کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کا ہر عمل اس کے لئے ہے۔ روزہ خاص میرے لئے ہے اس کا بدلہ میں خود دوں گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے پورے آداب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ فرمایا۔ جو گالی گلوچ۔ کذب و افترا۔ غیبت و بدگوئی سے باز نہ رہے۔ مجھے اس کے روزے کی ضرورت نہیں۔ بھوک پیاس کے سوا اس کو کچھ نہ حاصل ہوگا فرمایا تم سے کوئی الجھے تو کہہ دو کہ میں روزے سے ہوں۔

یہ گویا اس بات کا کھلا ہوا اعلان ہے کہ روزے میں ہر ناپسندیدہ چیز سے احتراز و اجتناب ہی روزے کی اصلی حقیقت پیدا کرتا ہے اور اس کے مقاصد کو پورا کرتا ہے۔ دل محو خیال یار ہو جسم پابند فرمان دلبر ہو ضرب و مستی کا یہ عالم ہو کہ زبان حال سے آپ پکار اٹھیں کہ

شب وصل خلوت خاص میں جو حجاب بیچ سے اٹھ گیا
تو ہمیں رہے نہ ادب رہا۔ جو رہی تو بے خبری رہی

عفو و کرم جود و سخا اور دہش کا بازار شباب پر ہے راہ کے رہزن سارے شیاطین کو طوق سلاسل پہنا دیئے گئے، جہنم کے سارے دروازے بند ہیں جنت کے سب دروازے کھول دیئے گئے، پیہم باران رحمت ہو رہی ہے، جو مجرم تھے ان کی بھی سزائیں ان دنوں کمی کر دی گئی اور بے شمار ایسے ہیں جو اس جشن ملائکہ کی خوشی میں ہمیشہ کیلئے آزاد ہو جائیں گے۔ کیسی بہار کا پیام لایا ہوں۔ عام دنوں میں ایک عمل پر اگر ایک سے دس تک نیکیاں ملتی تھیں تو اب دس سے ستر بلکہ سات سات سو تک نیکیاں ملیں گی۔ ایک فرض ادا کریں گے تو ستر کا ثواب پائیں گے مسلسل اعلان ہو رہا ہے بھلائی کے خواہاں آگے بڑھ اپنا دامن خیر و برکت۔ جود ایمان حلاوت ذکر عبادت و ریاضت۔ اور اطاعت و انقیاد کے موتیوں اور پھولوں سے بھر لے، نفس پرستی۔ خود غرضی و بد اخلاقی۔ جھوٹ و دغا بازی، بغض و عداوت غرض دل کے ایک ایک زنگ کو اچھی طرح صاف کرے سراپا خیر مجسم بن جا۔ اگر آپ نے ایسا کر لیا تو آپکی رگوں

بقیہ صفحہ پر

رحمت عالم کا کمال جوہر شناسی و مردم گری

صورت تری معیار کمالات بنا کر
دانستہ مصور نے قلم توڑ دیا ہے

تحریر: محمود شیت خطاب
ترجمہ: شمس الحق ندوی

حضور کے کمالات یوں تو بہت اور مختلف النوع ہیں اور اس کو بنی نوع انسان کا ہر طبقہ اپنے لئے اسوۂ حسنہ بنا سکتا ہے لیکن یہاں مجھے آپ کے کمال مردم سازی جوہر شناسی اور قائدانہ خصوصیات سے بحث کرنی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ فطری طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تائید خداوندی حاصل تھی۔ آپ کے بشیر و نذیر قاصد، شارع اور قائد ہونے میں نیز فرمانروائی کی خصوصیات میں کامیابی کا سب سے بڑا راز یہی تھا لیکن اس تائید خداوندی سے آپ کی ذاتی صلاحیت اور جوہر کی کوئی نفی نہیں ہوتی جس کا آپ کی کامیابی میں بڑا دخل ہے۔ قرآن نے بھی اس جوہر دانی کی شہادت دی ہے (اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ) ترجمہ اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے کہ اپنی رسالت کا بار امانت کس کو سونپے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی صحابہؓ کرام کے لئے کامل نمونہ تھی۔ اور آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کا یہ اسوۂ حسنہ آپ کے متبعین کے لئے ہر جگہ ہر دور میں قیامت تک کے لئے کامل نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا) تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اچھا نمونہ (آئیڈیل) ہے اس کے لئے جو امید رکھتا ہو اللہ سے (ملاقات) کی اور قیامت کی اور اللہ کو خوب یاد کرتا ہو) یہ اسوۂ حسنہ آپ کے وہ معمولات زندگی اور فرمودات ہیں اور اس انسان کامل کے بے مثال اور بلند کارنامے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔

ہر انسانی طبقہ آپ کے کارناموں سے اپنی عملی زندگی میں روشنی حاصل کر سکتا ہے۔ آپ کی یہ خوبیاں ساری انسانی برادری کے لئے ہر وقت ہر دور میں چراغ راہ ہیں اور آپ کی صحیح رہنمائی و دستگیری کر سکتی ہیں۔ اور زندگی کی گذرگاہوں میں قافلۂ انسانیت کی رہبری کا کام انجام دے سکتی ہیں۔

آج جس نازک دور سے ہم گذر رہے ہیں اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم حضور کی قائدانہ زندگی سے روشنی حاصل کریں اور اس پر غور کریں کہ وہ کیا پہلو ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر ہم اپنے مسائل حل کر سکتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطر بیز سیرت طیبہ کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ایک اہم کمال اور جوہر مردم شناسی چھپی ہوئی انسانی صلاحیتوں کی نباضی اور ہر کام کے لئے ذمہ داری کی نزاکت و اہمیت کے اعتبار سے مناسب و لائق شخصیت کا انتخاب کرنا ہے۔

اسباب دنیوی میں سے یہی آپ کی وہ اہم خصوصیت ہے جس نے آپ کو جنگ و صلح دونوں حالتوں میں کامیابی سے ہمکنار کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کرام کی ایک ایک چیز سے پوری طور پر نہ صرف واقف تھے بلکہ آپ خوب جانتے تھے کہ کون کس خوبی و صلاحیت میں ممتاز ہے جس سے نئے اسلامی معاشرے کو فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ آپ ان کو مسلمانوں کے مفاد عامہ اور معاشرہ کی بھلائی کے لئے منتخب فرما لیا کرتے تھے آپ کی دوررس نگاہ صحابہؓ کی چھوٹی چھوٹی خامیوں پر پردہ ڈالتی اور آپ اس سے چشم پوشی کرتے صحابہ کرام میں جو کمال اور خوبیاں ہوتی تھیں آپ ان کا ذکر فرماتے تھے اور صحابہؓ کرام کو بھی چشم پوشی ہی کی ہدایت فرماتے تھے اور ان کی خوبیوں کو مناسب طریقہ سے قدر دانی و پسندیدگی کا اظہار کر کے ان کے اندر اس کو مزید مستحکم کرنے کی ہدایت فرماتے تھے ایسا نہیں تھا کہ خامیوں کو آپ قطعاً نظر انداز فرما دیتے ہوں بلکہ حسن تدبیر کیساتھ ان کو ختم فرماتے۔ ایسا نہیں فرماتے کہ اگر کسی میں کوئی خامی ہے تو اظہار ناگواری فرما کر اپنے درشت طرز عمل سے ان کو بددل کر کے متنفر فرما دیتے۔ بلکہ نہایت لطیف طرز اسلوب کے ساتھ اس کی اصلاح فرماتے۔ یہ اصلاح صرف وقتی اور عارضی نہیں تھی بلکہ اس سے اس کی زندگی کا رخ ہی پلٹ جاتا تھا۔

آپ اس کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ انسانی ضمیر خطا و صواب اور خوب و ناخوب کا مجموعہ ہے۔ بے خطا و بے عیب تو ذات باری ہے ہر شخص سے ابتدا اس کی صلاحیت اور ظرف کے مطابق معاملہ فرماتے تھے جس کے اندر جو صلاحیت زیادہ نمایاں ہوتی۔ اسی کو آپ کارآمد بنا لیتے اور اس سے معاشرے کو فائدہ پہونچاتے۔ صحابہؓ کرام میں کچھ لوگ مال و دولت میں بڑھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان سے اس صلاحیت کے ابقدر مسلمانوں کو فائدہ پہونچایا۔ ایسے حضرات کو آپ نے جماعت و مروانگی دلیری کا دھیان دیکھا [illegible]

کام مکلف نہیں بنایا۔

بعض صحابہؓ میں قیادت کی صلاحیت زیادہ تھی وہ اسی میں ممتاز تھے آپ نے ان کو غزوات و سرایا میں قائد و سپہ سالار بنایا بعض صحابہؓ انفرادی، دلیری، شجاعت و جواں مردی میں فائق تھے۔ مگر قیادت کی صلاحیت نہ رکھتے تھے ان سے آپ نے بہادروں کو جوش و ولولہ دلانے پروانہ وار قربانی پیش کرنے اور شوق دلانے کا کام لیا۔ صحابہؓ کرام میں کچھ وہ حضرات تھے جو صاحب الرائے اور گہری سیاسی فکری صلاحیتوں کے مالک تھے آپ نے انکی اس صلاحیت سے کام لیا۔ اور ان کی دانش و بینش حکمت و تدبر رائے مشورے سے فائدہ اٹھایا۔۔۔۔ جو صحابہؓ شعر و سخن، فصاحت و بلاغت، خطابت و قوت بیانیہ میں امتیازی شان رکھتے تھے ان کے اس جوہر اور صلاحیت سے کام لیا۔ اس کا صحیح استعمال کیا۔ وقس علیٰ ھذا آپ کے اس کارنامہ کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:-

سنہ ۸ھ میں جب کہ آپ عمرۃ القضا کی غرض سے مکہ مکرمہ تشریف فرما تھے آپ نے ولید بن ولیدؓ سے دریافت فرمایا کہ خالدؓ کہاں ہیں پھر خود ہی فرمایا۔ اسلام سے روگردانی کرنے والوں میں خالدؓ جیسا باکمال کوئی نہیں۔ اگر وہ اپنی سوجھ بوجھ، فکر و توجہ مشرکین کے خلاف مسلمانوں کے ساتھ لگاتے اور اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے تو ہم انہیں کو دوسروں پر فوقیت دیتا اور قیادت ان کے سپرد کرتا۔ حضرت ولید ابن ولیدؓ نے حضورؐ کے اس ارشاد کی حضرت خالدؓ کو اطلاع دی آپ کی یہ دوربینی حکمت و فراست ہی حضرت کے اسلام لانے اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا سبب بنی۔

یکم صفر سنہ ۸ھ کو حضرت خالد ابن ولیدؓ ہجرت کر کے حضور کی خدمت میں مدینہ منورہ تشریف لائے خود حضرت خالد فرماتے ہیں کہ جب میں حضورؐ کے سامنے پہنچا تو میں نے آپ کو سلام نبوت عرض کیا۔ آپ نے بڑی خوش دلی و بشاشت کے ساتھ جواب دیا۔ آپ کی اس ادائے خوش دلی نے میرے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ میں اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ خالد میں تمہارے اندر عقل اور سوجھ بوجھ کی صلاحیت محسوس کر رہا تھا اور مجھے توقع تھی کہ تمہاری دانشمندی تم کو راہ راست پر لے آئے گی حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے بیعت کر لی اور عرض کیا کہ اللہ

(باقی صفحہ پر)

ذرا یہ بھی سنئے ۔۔۔۔۔۔۔

محمد کلیم اللہ خاں

خبریں سننے کے تو آپ بہت شوقین ہیں۔ ذرا کلیجہ تھام کر یہ خبر بھی سن لیجئے:-

"اسرائیل نے مشرق وسطیٰ کا تیل یورپ کی منڈیوں میں پہنچانے کے لئے خلیج عقبہ سے بحیرہ روم کے ساحل تک ۱۶۰ میل لمبی پائپ لائن تعمیر کر لی۔ یہ کام اسرائیل کے جانباز اور فرض شناس مزدوروں مستریوں اور انجینیروں نے ریگستان کی چلچلاتی دھوپ (درجہ حرارت ۱۰۴ ڈگری) میں کام کر کے ایک مختصر مدت میں پورا کیا۔"

عرب اسرائیل جنگ سے پہلے اسرائیل ایشیائی کنوؤں سے نکلنے والے تیل کو یورپ کی منڈیوں میں نہر سویز کے راستے سے لیجاتا تھا۔ نہر سویز کے بند ہو جانے سے اسرائیل کیلئے تیل لیجانا ایک اہم مسئلہ بن گیا ـــــ ایک ایسا مسئلہ جو اس کی حیثیت پر بھی برا اثر ڈال رہا تھا۔ اور یورپ میں اس کی تجارتی ساکھ بھی کمزور کر رہا تھا۔ چنانچہ اسرائیل نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے خلیج عقبہ کے مقام ایلات سے بحیرہ روم کی بندرگاہ Ashkelon تک پائپ لائن بچھانے کا عزم کیا۔ اسرائیلی قوم نے اس عزم کو پورا کرنے میں جان و دھن کی بازی لگا دی۔ نہ صرف یہ کہ پائپ لائن ایک قلیل مدت میں بچھا دی گئی بلکہ ایک طرف یہ کام انتہائی رازداری سے ہوا۔ عربوں کو تو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور دوسری طرف تعمیر نہایت پائدار اور زمین دوز ہے اور ہر قسم کی توڑ پھوٹ سے محفوظ کر دی گئی ہے بیالیس انچ قطر کی یہ پائپ لائن دنیا کی سب سے بڑی اور مضبوط پائپ لائن ہے۔ اسرائیل کی تاریخ کا یہ سب سے بڑا معاشی منصوبہ ہے جس نے ملک کے لئے معاشی و اقتصادی ترقی کی راہیں آسان کر دی ہیں۔

مصر نے بندرگاہ سویز سے بحیرہ روم کے ساحل پر واقع الگزینڈریا تک پائپ لائن بچھانے کا منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے کا اعلان کرتے ہوئے صدر ناصر نے حسب معمول ہاتھی کے سے دانت دکھائے۔ "تیل ہماری معیشت کے لئے ایک اہم جز کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ منصوبہ ایک بڑی قومی اہمیت کا حامل ہے مصری حکومت اور عوام اس منصوبہ کی تکمیل کو اپنا ایک اہم اور اولین فریضہ سمجھیں گے۔" لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد جنگی مصروفیات کے بہانے بنا کر یہ منصوبہ بالائے طاق رکھ دیا گیا۔

سارے یورپی ممالک ایشیائی کنوؤں سے نکلنے والے پٹرول کے محتاج ہیں۔ اگر اسرائیل یورپ کو تیل مہیا کرنے میں ایک اہم رول ادا کرنے لگا تو پورے براعظم میں اس کو ہر اعتبار سے ایک اہم پوزیشن حاصل ہو جائے گی اور یورپ کے سیاسی توازن میں اس کا ایک وزن ہوگا۔ اور اسی طرح اس کو جو معاشی اقتصادی سیاسی اور فوجی فوائد حاصل ہوں گے وہ ظاہر ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اسرائیل کو تیل کون مہیا کر رہا ہے؟ اگرچہ اسرائیل نے ان کمپنیوں کے نام جو اس کو تیل مہیا کر رہی ہیں۔ راز میں رکھے ہیں۔ مگر عام طور پر قیاس کیا جا رہا ہے کہ اس تیل کا بیشتر حصہ ایک بڑے اسلامی ملک سے آ رہا ہے۔۔۔۔۔ جس کا نام ایران ہے۔

جب اسلامیت کا دامن چھوڑ کر عصبیت قوم پرستی کا نعرہ لگایا جائے گا تو ایسے ہی نتائج نکلیں گے۔

قطعۃ الوداعیہ بحضرت مولانا محمد اسحٰق مدظلہ العالی

از عرشی لکھنوی

(۱۰ شعبان کو ایک بجنے بارہ بجے اساتذہ ثانویہ کی خواہش پر مولانا مدرسہ ثانویہ تشریف لائے ایک مختصر و بے تکلف مجلس ہوئی جس میں ماسٹر مرتضیٰ صاحب نے یہ قطعۃ الوداعیہ پیش کیا۔ مولانا پاکستان منتقل ہو رہے ہیں)

رونق بزم صفا لے کر چلے ہیں محترم
اللہ اللہ آپ کی فکر و نظر کی وسعتیں
جلوہ آرا عکس ریزی حال کی تھی قال میں
رکھتے تھے ہر دم نظر میں دین کی تاسیس کو
زندہ باد اے زبدۂ خاصان ملت زندہ باد
ہمرہ تست آرزوئے ما بصد وارفتگی

دل کو تڑپائے گا دائم آپکی دوری کا غم
دل کشا و جاں فزا وہ گفتگو کی لذتیں
علم کی تصویر تھی آئینۂ اعمال میں
چاک کر دیتے تھے ہر اک جامۂ تلبیس کو
پیکر حسن عمل، شمع شریعت زندہ باد
[illegible] ہند ادی کر سوئے پاک تنہا میروی

حضرت سید الاستاذ کے مزار پر!

کراچی آ کر سب سے پہلے استاذی المحترم علامہ سید سلیمان ندوی کے مزار پر حاضری دی پہلے یہ مزار ایک کھلے ہوئے میدان میں تھا اس کے تھوڑے فاصلہ پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا مرقد تھا اب اس میدان میں اسلامیہ کالج کی عمارت بن گئی ہے حضرت سید صاحب کے داماد محی الدین مرحوم نے اس کو علیحدہ کرا کے گھروا دیا ہے پورا مزار اب سنگ مرمر کا ہے فاتحہ پڑھتے وقت آنکھوں سے آنسو جاری تھا کہ اس کے نیچے کون ہے؟

شمع رسالت کا پروانہ، جوئے شیر اسلامیہ کا فرہاد، علم و فن کا مجسمہ، اخلاق و اخلاص، محبت، شفقت، لینت نرمی کا پیکر، تحمل بردباری توکل اور قناعت کا سوتا۔ آنکھیں بند تھیں اور دیکھ رہا تھا کہ دار المصنفین کے کتب خانے میں اپنی میز پر بیٹھے لکھ رہے ہیں۔ وہ اس کے احاطہ میں چل رہے ہیں پھر رہے ہیں۔ آ رہے ہیں جا رہے ہیں مسکرا رہے ہیں اپنے شاگردوں کو تسلی دے رہے ہیں تحقیق و تلاش کے راز آشکار کر رہے ہیں اپنی ایک ایک بات سے علم و ادب کی تمام گتھیاں سلجھا رہے ہیں۔ میرا جی چاہا کہ قبر سے لپٹ جاؤں ان کے سارے احسانات آنکھوں کے سامنے آ گئے خیال آیا کہ ان کی آخری آرامگاہ دار المصنفین میں ہونا چاہئے تھا۔ جس کو انھوں نے اپنے خون اور پسینہ سے سینچا، وہی ان کا تخت طاؤس، وہی ان کا تاج محل بھی ہونا چاہئے تھا [illegible] مصلحت خداوندی اور مشیت ایزدی کچھ اور تھی۔ دار المصنفین میں وہ ابدی نیند سوتے ہوتے تو ہر زمان کے شاگرد اپنی عقیدت کے نذرانے ان کے مرقد مبارک پر چڑھاتے اور اس کی خاک کو طوطیائے چشم بناتے رہتے اور وہ اس کے اندر سے ذرات لگ رہا تھا کہ برومی اور فکری گر کر ان کی کرسیں ٹھوٹتے ہوئے دیکھتے۔ آہ وہ کراچی میں اس وقت اجنبی بنے ہوئے ہیں لیکن دار المصنفین کے احاطہ میں [illegible] کے بعد بھی وہ اپنے کو شاگردوں کے جھرمٹ میں پاتے۔ میں [illegible] حال سے کہہ رہا تھا استاذ محترم آپ اب [illegible] کے ذہن و دماغ بڑھاتے ہوئے ہیں آپ کا علم [illegible] [illegible] لیکن آپ کے قلم کی [illegible] [illegible] کی [illegible] خوانی [illegible]

صباح الدین عبد الرحمن

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دارالعلوم ندوۃ العلماء عالم اسلام کا مشہور دینی و علمی مرکز ہے جو ستر سال سے علم دین کی خدمت انجام دے رہا ہے اور الحمد للہ اس کے فضلاء ہندوستان اور بیرون ممالک میں علمی اور دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یہ حقیقت نہایت قابل توجہ ہے کہ مسلمانوں کی ہر طرح کی فلاح و بہبود ان کے اس دین سے وابستہ ہے جس کو لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے، مسلمان جس قدر اس حقیقت کی طرف توجہ کریں گے، اور جس قدر دینی کاموں میں دلچسپی اور بلند ہمتی سے حصہ لیں گے اسی قدر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ان کی حفاظت و کامیابی کا فیصلہ ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم (اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔)

ہندوستان کے موجودہ حالات میں ایسے دینی اور علمی اداروں کا استحکام نہایت ضروری ہے جو اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں میں علم دین کی اشاعت کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ الحمد للہ کارکنان دارالعلوم ندوۃ العلماء بھی اس جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اخلاص و قبولیت سے نوازے۔

اس وقت دارالعلوم میں ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے علاوہ جنوبی افریقہ، ملیشیا، نیپال، وغیرہ کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں۔ طلبہ کی مجموعی تعداد چھ سو ہے ان میں غیر ملکی (۵۰) ہیں۔ اس سال غیر مستطیع طلبا کو تقریباً ایک لاکھ کے وظائف (اسکالرشپ) دیئے گئے حضرات مدرسین اور اسٹاف کی مجموعی تعداد ساٹھ (۶۰) ہے۔ اس وقت ندوۃ العلماء کے سالانہ اخراجات تقریباً چار لاکھ ہیں۔

ملک میں شدید گرانی اور اس سے پیدا شدہ مشکلات کا اب ہر شخص کو خوب اندازہ ہو چکا ہے۔ اس صورت حال کا سخت اثر دارالعلوم پر بھی ہے اور اس کو اپنے ضروری اخراجات پورا کرنے میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اجتماعی بڑے کام بغیر عمومی تعاون کے انجام نہیں پاتے، ہمارے مسلمان بھائیوں کو اس اہم کام میں فیاضی و حوصلہ سے توجہ کی ضرورت ہے۔ خصوصاً رمضان المبارک میں صحیح روایات کے مطابق اس ماہ مبارک میں ہر عمل کا ثواب ستر گنا ملتا ہے، علم دین اور طالبان علم دین پر مسلمانوں کی جو پاک کمائی خرچ ہوگی انشاء اللہ وہ آخرت میں اجر عظیم اور دنیا میں خیر و برکت کا باعث ہوگی۔ میں تمام مسلمانوں خصوصاً اہل استطاعت سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ حسب حیثیت فراخدلی سے دارالعلوم کی مدد فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

رمضان المبارک اور اس کے علاوہ مختلف اوقات میں بعض حضرات اساتذہ و سفراء دارالعلوم کے سلسلہ میں مختلف علاقوں میں تشریف لیجاتے رہتے ہیں، مقامی طور پر اگر دردمند و اہل خیر حضرات دلچسپی سے تعاون فرمائیں تو انشاء اللہ دارالعلوم کی اعانت کا بڑا کام ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کی حمایت و نصرت کی دولت سے سرفراز فرمائیں۔ آمین

نوٹ:۔ جو حضرات براہ راست اپنی رقوم بھیجیں وہ مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمائیں، رقوم جس مد کی ہوں اس کی صراحت ضروری ہے چک و ڈرافٹ پر صرف "ناظم صاحب ندوۃ العلماء" لکھا جائے اور مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمایا جائے۔

ناظم صاحب ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ۔

NAZIM NADWATUL ULAMA
P.O. Box. N. 93. LUCKNOW.

شائع کردہ: شعبہ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء لکھنؤ

لقد واجه شعبنا ثلاث امبراطوريات هي الامبراطورية العثمانية والفرنساوية والبريطانية، وقام غزوها لبلاد وانتصر عليها[1]

ہماری قوم تین سامراجی شہنشاہتوں سے دوچار ہوئی، یعنی عثمانی اور فرانسیسی اور برطانوی سامراج اور اس نے اپنے ملک کو آزاد کرانے کے لئے اس سے جنگ کی اور کامیاب ہوئی۔

وہ فلسفۃ الثورہ میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ انگریزوں اور عثمانیوں میں صرف نام اور ٹائیٹل کا فرق ہے ورنہ دونوں کی حیثیت ایک ہے۔

وبنفس الروح التي لم يتغير جرى المعنى على لساننا وان تغير اسم الانجليزيين باسم العثمانيين طبقاً للتغيرات السياسية التي توالت على مصر بين العهدين۔

اور ٹھیک اسی روح کے ساتھ جس میں ذرا بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی یہ بات ہماری زبانوں پر جاری ہو کر رہی کہ ہم اب عثمانیوں کے نام کے عوض میں انگریزوں کا نام لینے لگیں، ان سیاسی تبدیلیوں کے پیش نظر جو مصر پر ان دونوں عہدوں میں برابر قائم رہیں۔

وہ سب عربوں کو عثمانی سامراجیوں اور عجمی حملہ آوروں کا شکار سمجھتے ہیں اور ان کی مظلومیت کا رونا روتے ہوئے اسی مظلومیت کو وہ سب سے بڑی قدر و مشترک قرار دیتے ہیں جو مصر اور دوسرے عرب ممالک میں پائی جاتی ہے۔

وما من شك في ان الدائرة العربية هي اهم هذه الدوائر واوثقها ارتباطاً بنا فلقد امتزجت معنا بالتاريخ وعاينا معها نفس المحن وعشنا نفس الازمان وجلين وقعنا تحت سنابك خيل الغزاة كانوا معنا تحت نفس السنابك[1]

(اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عربی دائرہ ہی ان میں سب سے اہم دائرہ تھا اس کا تعلق ہم سب سے زیادہ تھا، اس طرح کہ وہ ہماری تاریخ کے ساتھ بالکل گھل مل گیا تھا، چنانچہ ہم نے ان تمام آزمائشوں کو جھیلا جو اس کی لائی ہوئی تھیں اور دم بدم ہم اس کی پیدا کردہ مشکلات پر گامزن رہے۔ اور جس وقت ہم ان غازیوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے وہ بھی ہماری طرح انھیں ٹاپوں کے نیچے پس رہے تھے۔)

یہ یاد رہے کہ ان حملہ آوروں سے ان کی مراد تاتاری اور صلیبی حملہ آور ہرگز نہیں اس لئے کہ ان کے بقول عرب قومیت ان کو مصر پہونچنے سے پہلے ہی شکست دے چکی تھی۔

قول و عمل کے تضاد کا منظر اس وقت اور مکروہ ہو جاتا ہے جب ایک طرف وہ عربوں کی قیادت حاصل کرنے کے شوق میں اسرائیل کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے اور یہودیوں کو سمندر میں پھینک دینے کی بات کرتے ہیں لیکن جب واذا خلوا الى شياطينهم کا وقت آتا ہے تو اس سے صاف معذرت کر دیتے ہیں اور دبی زبان میں صرف اتنا کہتے ہیں کہ ہم اسرائیل کے اگر خلاف ہیں تو صرف اس لئے کہ اس نے صیہونیت (یہودیت کی ..... بین الاقوامی تحریک کی مدد سے ہماری سرزمین کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اگر اس کی یہ ساری سامراجی حیثیت نہ ہوتی تو یہودیوں سے من حیث القوم ہمارا ہرگز اور کبھی کوئی اختلاف نہ تھا بلکہ یہودیوں سے ہمارے روابط ہمیشہ اچھے رہے ہیں ؎

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

اصل موقف!

ذیل میں جمال عبدالناصر کے وہ الفاظ نقل کئے جاتے ہیں جو انھوں نے لندن کے اخبار سنڈے ٹائمز کے نامہ نگار سے کہے تھے اور "الاہرام" میں ان کو بڑے فخر کے ساتھ شائع کیا گیا تھا اس کے ایک سوال کے جواب میں انھوں نے اپنے اصل موقف کی وضاحت کرتے ہوئے بڑی صفائی کے ساتھ کہا کہ:۔

انا لم اكن في يوم من الايام معاديا للسامية على المستوى الشخصي ومن العسير على اي مصري متعلم بان يكون كذالك ولقد كانت بيننا وبين اليهود كشعب روابط عديدة فموسى نفسه كان مصريا، ثم قال ان شعوري المعادي لاسرائيل واعمالي الموجهة ضدها انما تولدت فيما بعد من شيئ واحد لا سواه وهو الحركة الصهيونية التي اغتصبت جزأ من الارض العربية

(میں کبھی ذاتی طور پر سامی نسلوں کے خلاف نہیں تھا اور ہر پڑھے لکھے مصری کے لئے ایسا کرنا انتہائی دشوار ہے۔ بلاشبہ ہمارے اور یہودیوں کے درمیان ایک قوم ہونے کے اعتبار سے بہت سے رشتے تھے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام خود مصری تھے، پھر کہا کہ اسرائیل کے بارے میں میرا مخالفانہ رویہ اور اس کی مخالفت میں صادر ہونے والے میرے تمام اعمال صرف ایک بات کی وجہ سے بعد میں وجود پذیر ہوئے اس بات کے سوا اور کوئی دوسرا سبب نہیں ہے اور وہ ہے صیہونی تحریک جس نے عرب زمین کا ایک بڑا حصہ غصب کر لیا ہے۔)

اسی انٹرویو میں انھوں نے یہ بھی کہا کہ سب سے پہلے عرب ہیں اور اسی لئے ہم سب سے پہلے عرب اتحاد کی بات سوچتے ہیں۔

فنحن اولاً وقبل كل شيئ امة عربية ولذا فان الوحدة العربية هي في مقدمة ما نفكر فيه۔

ہم ہر چیز سے پہلے عرب قوم ہیں، اسی بنا پر عربی قومیت کا اتحاد ہماری ہر فکر کا مقدمہ ہے۔

یہودیت کے اس نئے پہلو کو انھوں نے المیثاق الوطنی میں بھی ایک جگہ واضح کیا ہے لکھتے ہیں۔

وليس تعقب سياستنا التسلل الاسرائيلي في افريقيا غير محاولة لحصر انتشار سرطان استعماري مدمر

(افریقہ میں اسرائیلی در اندازی کے خلاف ہمارا سیاسی تعاقب بجز ایک تباہ کن سامراجی کینسر کے پھیلاؤ کو روکنے کے اور کچھ نہیں ہے پر مبنی نہیں ہے۔)

دوسری کلید۔

جمال عبدالناصر کی شخصیت کی پہلی کلید (انا ربکم الاعلیٰ) اور دوسری کلید (واذا لقوا الذين آمنوا قالوا آمنا واذا خلوا الى شياطينهم قالوا انا معكم) کی مدد سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ان کا اصل مذہب و مشرب خدا کے بندوں پر اپنی خدائی قائم رکھنا اور اسی فرعونی عہد کو باقی رکھنا یا (اگر تعبیر غلط نہ ہو) تو چار چاند لگانا ہے۔ اپنی فرعونی تہذیب کے ان بانیوں میں ان کو سب سے زیادہ مناسبت فرعون موسیٰ (رمسیس) سے ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان کا کردار اس سے بہت ملتا جلتا ہے۔

قرآن مجید میں فرعون کا جو کردار پیش کیا گیا ہے اس کی چند جھلکیاں دیکھتے جائیے اور اس کی تصویر کو فرعونیت کی اس نئی تصویر سے ملاتے جائیے۔

قال سنقتل ابناءهم ونستحي نساءهم وانا فوقهم قاهرون ان هذا لمكر مكرتموه في المدينة لتخرجوا منها اهلها فسوف تعلمون اليس لي ملك مصر وهذه الانهار تجري من تحتي افلا تبصرون ام هذا الذي هو مهين ولا يكاد يبين۔

(فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کر دیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں۔ اور ہم کو ہر تاج کا ان پر زور ہے بیشک یہ ایک کاروائی تھی جس پر تمہارا عملدرآمد ہوا ہے اس شہر میں تاکہ تم سب اس شہر کے رہنے والوں کو اس سے باہر نکال دو بہتر ہے اب تم کو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔

کیا میرے لئے یہ مصر کی سلطنت نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے محل کے پاس سے بہتی ہیں کیا تم نہیں دیکھتے بلکہ میں اس سے بہتر ہوں اس شخص سے کہ وہ ذلیل ہے اور اس لائق بھی نہیں ہے کہ صاف بیان کر سکے۔

---

[1] المیثاق ص ۱۰۳

[1] فلسفۃ الثورہ ص ۹۲

فاستخف قومه فاطاعوه انهم کانو قوما فاسقین وما امر فرعون برشید۔
فکذب وعصی ثم ادبر یسعی فحشر فنادی فقال انا ربکم الاعلی فاخذه الله نکال الآخرة والاولی، ان فی ذالک لعبرة لمن یخشی۔
(اپنی قوم کو مغلوب کر دیا، اور وہ لوگ اس کے کہنے میں آگئے وہ لوگ (کچھ پہلے سے بھی) خسارت سے بھرے تھے اور فرعون کا حکم اچھا نہیں ہے)
(پس جھٹلایا اور نافرمانی کی، پھر موسیٰ سے جدا ہو کر ان کے خلاف کوشش کرنے لگا۔ پھر لوگوں کو جمع کیا اور بآواز بلند تقریر کی اور کہا کہ میں تمھارا رب اعلیٰ ہوں اللہ نے اس کو آخرت و دنیا کے عذاب میں پکڑا، بیشک اس راستہ میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو اللہ سے ڈرے۔)
یہی وجہ ہے کہ خود قاہرہ اور مصر کے دوسرے شہروں مثلاً اسکندریہ اور اسوان وغیرہ میں فراعنہ کے جتنے مجسمے [illegible] اور شاہراہوں پر لگائے گئے ہیں وہ [illegible] رمسیس ہی کے ہیں، قاہرہ میں اترتے ہی پہلی [illegible] آدمی کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اسکو
(رمسیس اسٹیشن) کہا جاتا ہے (پہلے اس کا نام باب الحدید یا محطۃ مصر تھا۔)
اسٹیشن کے قریب جو میدان ہے اور جس کو پہلے میدان باب الحدید کہتے تھے اب میدان رمسیس کہا جاتا ہے۔ اور وہیں رمسیس کا وہ سب سے بڑا مجسمہ نصب ہے جو آنیوالوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس سے زیادہ حیرت و افسوس کی بات ہے کہ اس کے قدموں کے نیچے نہر کی شکل کا ایک مستطیل حوض بھی ہے جس کا پانی اس کے قدموں کے نیچے بہتا ہے شاید یہ اسلئے کیا گیا ہے کہ اس کی مطابقت فرعون موسیٰؑ سے اچھی طرح ہو سکے جس کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے
الیس لی ملک مصر وھذہ الانھار تجری من تحتی افلا تبصرون
(کیا ہمارے لئے مصر کی حکومت نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے محل کے پاس سے ہو کر بہتی ہیں کیا تم نہیں دیکھتے)
اس میدان سے وہ شارع رمسیس (رمسیس) روڈ شروع ہوتی ہے جو میدان التحریر تک گئی ہے اور یہ قاہرہ کی طویل و اہم شاہراہ ہے۔
فرعونیت کی اس اساس اور عربی قومیت میں اس کی گہری جڑوں کو سمجھنے کے بعد اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ عربی قومیت کا وہ نیا مذہب کیا ہے جس نے خدا کی خدائی کے بجائے انسان کی خدائی اور نبوت محمدی کے مقابل ایک نئی نبوت کا علم بلند کیا ہے اور عرب قومیت کے نام سے ایک نئے جاہلی اور ملحدانہ

بقیہ ولی اللہ شاہ دہلویؒ

تصوف کے موضوع پر آپ نے بہت سی بہترین اور نادر کتابیں بھی لکھیں تاکہ تصوف حقیقی اور تصوف مجازی غلط ملط نہ ہو جائیں اور تصوف حقیقی کا حسین و منور چہرہ تصور و مجازی کے آڑ میں چھپ نہ جائے جو ایک خارجی چیز ہے کیوں کہ اصل دین تو تصوف حقیقی ہی ہے نہ کہ تصوف مجازی ـــــ وہی حقیقی تصوف جس کی طرف شیخ نے دعوت دی ہے ـــــ تصوف میں آپ کا جو رجحان ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ آپ اپنی کتاب "تفہیمات الٰہیہ" میں تصوف کے موضوع پر یوں رقمطراز ہیں "جو قرآن میں غور و فکر اور تدبر سے کام نہ لے احادیث نبوی کو سمجھنے کی کوشش نہ کرے، علماء کی مجلسوں میں بیٹھنا ترک کر دے یعنی وہ صوفیاء جو قرآن کریم و حدیث کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہوں یا ان لوگوں سے قطع تعلق کرے جنھیں علوم دینیہ میں پختگی بھی حاصل ہو اور صوفیاء سے بھی ان کا رابطہ قائم ہے یا وہ محدثین کرام جنھیں علوم احادیث کا وافر حصہ ملا ہے یا وہ فقہائے عظام جو علم فقہ سے بہرہ ور ہیں رہے یا اہل صوفیاء اور وہ لوگ جو صوفیت اختیار کرتے ہیں وہ دین کے ڈاکو اور چور ہیں جن سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ اے اللہ تعالیٰ ہم سب کو تو ان لوگوں میں بنا جو تیری اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں اور اسی کی رضا جوئی میں لگے رہتے ہیں نیز خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔"
شیخ ولی اللہ برابر علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت کرتے رہے اور تالیف و تدریس کے ذریعہ باطل افکار و خیالات اور نظریات کا مقابلہ کرتے رہے جس کا فائدہ ہند و بیرون

ہند ہر جگہ نمایاں طور پر ظاہر ہو کر رہا۔ یہی نہیں بلکہ آپ کی تالیف و تصنیفات عرب ممالک میں بھی نہایت عزت و پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔ اور ان سے صرف استفادہ ہی نہیں کیا گیا بلکہ ان کو عقائد و اخلاق و فلسفۂ اسلامی کی تالیفات و تصنیفات کے لئے مصدر و مرجع بھی بنایا گیا۔
شیخ نے علوم دینیہ کی تشریح و توضیح میں جو محنتیں اور کوششیں کیں اور اس کے قیمتی و نادر خزانہ کو مختلف شکلوں میں جمع کیا یہ کام علماء کی ایک بڑی جماعت اور بڑے بڑے مولفین کا ایک طبقہ بھی انجام نہ دے سکا تھا کیوں کہ اس طرح کے عظیم الشان کام کو بڑی بڑی علمی یونیورسٹیوں کے بھی بس سے باہر ہیں چہ جائیکہ ان کاموں کو ایک تن تنہا شخص انجام دے سکے جس کو نہ تو کسی یونیورسٹی یا ادارہ میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا اور نہ علم و ادب ثقافت و کلچر کے مراکز دیکھنے کا اتفاق ہوا ـــ اب آپ ہی بتائیے کہ شیخ نے اتنے بڑے بڑے عظیم الشان کارنامے کیسے انجام دیئے؟ اور کس طرح سے یہ منصب جلیل حاصل کیا؟ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء (یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے)
اسلام کا یہ مشہور حکیم، عظیم فلسفی، عالم ربانی جس نے عالم اسلام پر عموماً اور اہل ہند پر خصوصاً علم و دانش کے بیش بہا خزانے بکھیر دیئے اور بیشمار علم و دین کے تجدیدی کارنامے انجام دیئے۔ ۶۲ برس زندہ رہنے کے بعد اس جہان فانی سے چل بسا اور اپنے پیچھے ملت اسلامیہ کے لئے ایک قیمتی اور نادر کتب خانہ چھوڑ گیا جس سے تا قیام قیامت تشنگان علوم اپنی پیاس بجھاتے رہیں گے۔
انا للہ وانا الیہ راجعون ۝

بلا تبصرہ

۷ ہزار برس پرانی تہذیب: ہم عرب بہت ہی قدیم قوم ہیں۔ ہماری ایک قدم تاریخ ہے تہذیب کے سات ہزار برس کی تاریخ! ہم صبر کر سکتے ہیں لیکن اس کو آسانی کے ساتھ بھلا نہیں سکتے۔
(جمال عبدالناصر اخباری نامہ نگاروں سے) (الشباب العربی ترجمانی سوشلسٹ یونین قاہرہ) ۲۹ مئی ۱۹۶۷ء

یہ داڑھی والے: "یہ داڑھی والا (یعنی شاہ سعود) آج ایسی باتیں کرتا ہے اور لوگوں کو بیوقوف بنانا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ اسکو امیر المومنین کہیں، ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ عوام نے ابھی تک رجعت پسندوں کی داڑھی نہیں نوچی ہے لیکن وہ تمھاری داڑھی ضرور نوچیں گے۔" (یوم مئی ۶۶ء کے موقعہ پر ناصر کا قوم سے خطاب (الطلبۃ العرب قاہرہ) ۷ مئی ۱۹۶۶ء

سماج کی تشکیل کی کوشش کی ہے جہاں خدا اور رسول کی بے حرمتی دینی معتقدات سے کھلی ہوئی بغاوت میں الحاد کی صریح دعوت، دینی شعار و احکام کا استخفاف بہت آسان بلکہ پسندیدہ اور اسلام کے احیاء، دینی زندگی کی بقا اور اسلامی جذبات کی نشو و نما کی ہر کوشش مشکل اور ناپسندیدہ بلکہ بغاوت اور سازش کے مرادف ہے

بقیہ رحمت کا کمال

کے نبی آپ میرے لئے استغفار فرمائیں۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا۔ کہ خالد اسلام لانے کے بعد اسلام سے پہلے کی ساری غلطیاں اور کوتاہیاں کالعدم ہو جاتی ہیں میں نے عرض کیا کہ اس کے باوجود آپ دعا فرمائیں۔

آپؐ نے فرمایا اے اللہ خالد نے اسلام سے پہلے اسلام کی رکاوٹ بننے میں جو کچھ ضائع کیا ہے سب معاف فرما۔ حضرت خالد فرماتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا اس وقت سے حضور ﷺ میرا ٹھکانا خیال فرماتے تھے۔ آپؐ کچھ عطا فرماتے تو صحابہ میں مجھ کو سب سے زیادہ دیتے چونکہ حضرت خالد میں قائد از صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی اس لئے اسلام لانے کے بعد آپؐ نے ان کو ہی قیادت عطا فرمائی۔
(باقی آئندہ)

عہدِ ناصری کا آخری کارنامہ

قاہرہ کے ایک رسالہ "العمال" نے ابھی حال ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ایک کارٹون شائع کیا ہے، اس میں دو آدمی بات کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں اور ایک بہت ہی موٹا اور پھولا ہوا گدھا پیچھے کھڑا ہے، ان میں سے ایک آدمی دوسرے سے کہتا ہے کیا تم نے اس کو (گدھے کو) (نعوذ باللہ) محمد کہا ہے۔

قاہرہ میں اس واقعہ سے قدرتی طور پر ایک خاموش اور دبی ہوئی بے چینی پیدا ہو گئی، اس گستاخی کی اطلاع استاذ اسماعیل، خطیب جامع ازہر کو کی گئی، اور بہت غور و خوض کے بعد اس کا فیصلہ ہوا کہ کارٹونسٹ کو برطرف کر دیا جائے۔

۱۹۷۰ء میں قاہرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالہ "العمال" کے صفحات پر گالیاں دی جا رہی ہیں اور بڑے بڑے مسلم رہنما خاموش ہیں،

قاہرہ میں اکابر علماء کی موجودگی میں یہ واقعات ہو رہے ہیں اور وہ لوگ تماشائی بنے اس کو دیکھ رہے ہیں۔

افسوس یہ ہے کہ صرف ایک پرچہ کی بات نہیں قاہرہ کا ایک دوسرا پرچہ "صباح الخیر" جنت اور دوزخ اور اس طرح کی چیزوں کے بارے میں برابر اہانت آمیز جملے اور کفریہ کلمے شائع کرتا رہتا ہے۔

کیا آج قاہرہ میں کوئی اشتراکیت کی شان میں بھی یہ گستاخی کر سکتا ہے جو رسالتمآبؐ اور جنت اور دوزخ کے بارے میں کھلم کھلا کی جا رہی ہے۔ کیا صرف آرٹسٹ کو برخواست کر دینا اتنے بڑے جرم کی سزا میں کافی ہے۔

(رسالہ "المجتمع" کویت)

سمتا پرنٹنگ پریس کچا احاطہ امین آباد لکھنؤ

Rgcd No. L 1981

FORTNIGHTLY

Phone 22948

TAMEER-E-HAYAT

Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

منثورات

از مولانا [illegible]

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں۔ نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے۔ مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے

قیمت ۳ر

تذکرہ

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

از مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی

چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ و عالم، اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات، جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو درد و محبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔

قیمت Rs 3

الادب العربی

بین عرض و نقد

از مولانا سید محمد رابع ندوی۔ ادیب اول (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

عربی ادب کی تاریخ اور تنقید کے موضوع پر ہندوستان میں یہ سب سے پہلی کوشش ہے جو الادب العربی بین عرض و نقد کے نام سے عربی زبان میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پیش کی ہے۔ اس کتاب میں عربی ادب کی تاریخ پر جو حاصل بحث کی گئی ہے اور یہ تین بڑے حصوں پر مشتمل ہے۔

ادب کی حقیقت ٭ تنقید و تجزیہ ٭ ادبی نمونے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ خوبصورت عربی ٹائپ پر یہ کتاب چھپ کر آگئی ہے۔

(قیمت صرف چار روپے)

مسئلہ ختم نبوت — علم و عقل کی روشنی میں

تالیف: مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء

اس کتاب میں مسئلہ ختم نبوت کو ٹھوس علمی و تحقیقی انداز میں ثابت کیا گیا اور عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اور ضرورت کو خالص علمی و عقلی دلائل سے واضح کیا گیا ہے، ہر صاحب عقل سلیم اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ختم نبوت کا قائل ہو جائیگا، قادیانیت کے طلسم میں گرفتار اور عقیدہ ختم نبوت میں شک و شبہ کرنیوالے افراد کے حق میں یہ فاضلانہ تصنیف روشنی کا ایک عظیم مینار ہے۔

قیمت: ۲ روپے ۲۵ نئے پیسے

معلم الانشاء

از مولانا عبدالماجد صاحب ندوی و مولانا محمد رابع صاحب ندوی

انشاء تمام زندہ زبانوں کا اہم مضمون ہے، موجودہ جمہوری دور اور صحافتی و مجلسی زندگی نے اسکی اہمیت کو روز روشن کر دیا ہے۔ دعوت و تبلیغ کے تقاضوں، ملکوں اور قوموں کے ارتباط تعلق نے اسکو نہ صرف اجتماعی و ادبی بلکہ دینی اہمیت بھی بخش دی ہے۔ چنانچہ دارالعلوم ندوۃ العلماء نے وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ان کے ایک ایسے سلسلے کی ترتیب دی ہے جو عربی مدارس کے اساتذہ کی پوری رہنمائی کر سکے اور عربی مدارس میں تعلیم و انشاء کا نصاب بن سکے۔

کاغذ کتابت و طباعت معیاری۔ حصہ اول (مولانا عبدالماجد ندوی) قیمت ۱/۷۵

حصہ دوم (" " ") " ۲/۶۲

حصہ سوم (مولانا محمد رابع ندوی) " ۲/۵۰

ملنے کا پتہ

مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at Nadwa Press Lucknow